# مکاتیبِ اقبال

بنام

## خان نیاز الدین خان

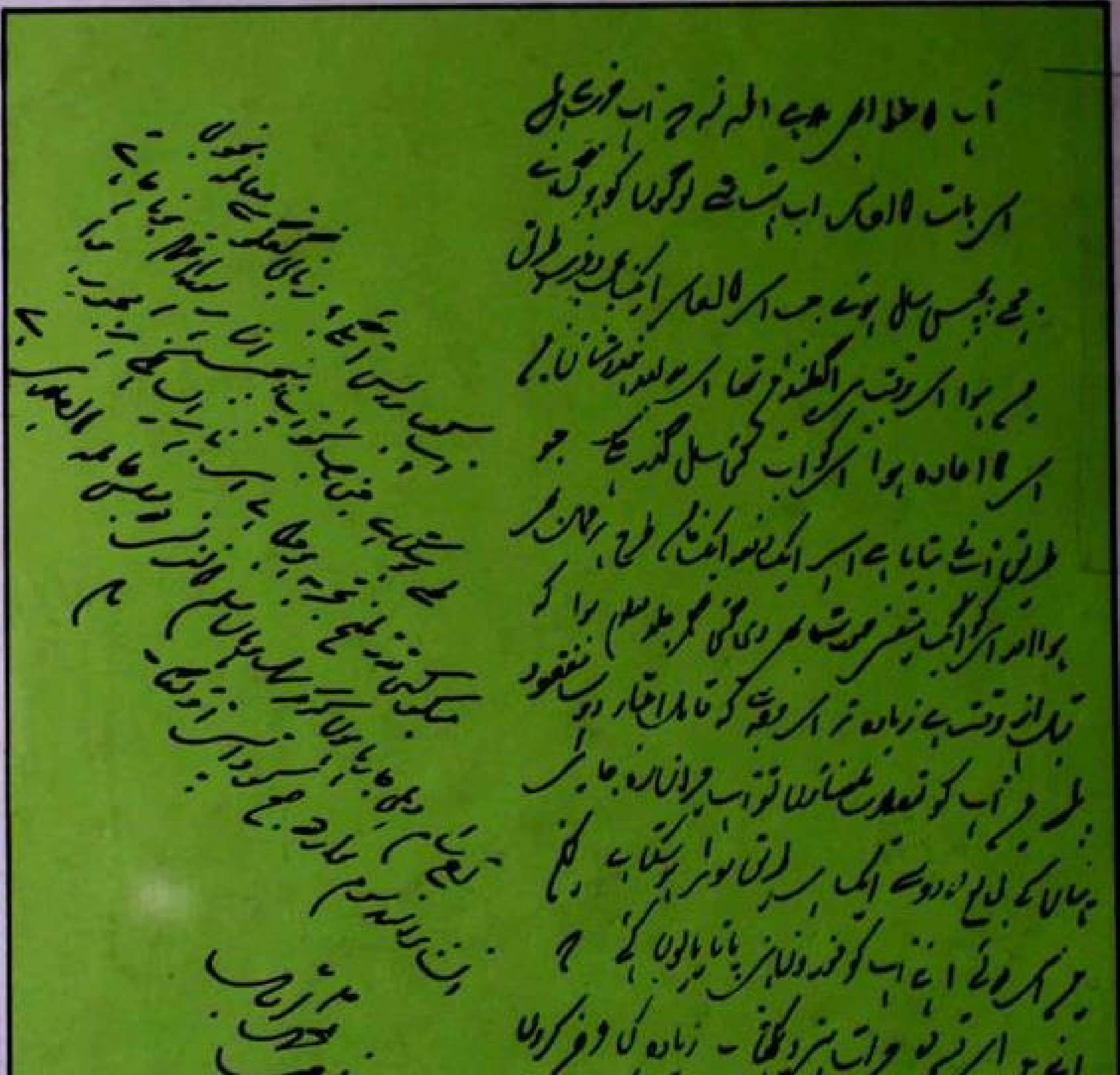

اقبال اکادمی پاکستان

علامہ اقبالؒ کے ۹ خطوں کا یہ مجموعہ طباعت کے لیے مکتوب الیہ کے دو صاحبزادوں خان افتخار الدین احمد اور خان نفیس الدین احمد کے ادبی ذوق کا مرہونِ منت ہے۔ اس میں صرف دو خط ایسے شامل ہیں جو شیخ عطاء اللہ صاحب کے مرتبہ مجموعہ مکاتیبِ اقبالؒ ("اقبال نامہ") میں شائع ہو چکے ہیں۔ باقی غیر مطبوعہ ہیں۔ مکتوب الیہ خان نیاز الدین خان مرحوم بستی دانشمنداں (جالندھر) کے رئیس اور علم و ادب سے شغف رکھنے والے بزرگوں میں سے تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنا کلام وقتاً فوقتاً بغرضِ اصلاح علامہ مرحوم کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے۔ ادبی ذوق کے علاوہ ایک اور قدرِ مشترک کاتب و مکتوب الیہ میں یہ بھی کہ دونوں اعلیٰ نسل کے کبوتروں کے شائق تھے۔ قارئین اس موضوع پر متعدد خطوط میں تصریحات پائیں گے۔

کسی مشہور و معروف علمی اور ادبی شخصیت کے نجی خطوط کی اشاعت ایک نازک مسئلہ ہے جس کے متعلق مختلف آراء ہو سکتی ہیں۔ خود علامہ مرحوم اس بارے میں ایک مخصوص نظریہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک خط میں خان صاحب موصوف کو لکھتے ہیں:

"عدیم الفرصتی تحریر میں ایک ایسا انداز پیدا کر دیتی ہے جس کو پرائیویٹ خطوط میں معاف کر سکتے ہیں، مگر اشاعت اُن کی نظرِ ثانی کے بغیر نہ ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ میں پرائیویٹ خطوط کے طرزِ بیان میں خصوصیت کے ساتھ لاپروا ہوں۔ اُمید ہے آپ میرے خطوط اشاعت کے خیال سے محفوظ نہ رکھتے ہوں گے۔"

جسٹس ایس اے رحمٰن مرحوم

جملہ حقوق محفوظ

ناشر : پروفیسر محمد منورؔ
ڈائرکٹر اقبال اکادمی پاکستان

مطبع : کارواں پریس لاہور

تعداد : ۱۰۰۰ (۱۹۸۶ء)

قیمت : تیس ۳۰ روپے

# ترتیب


| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ ملاحظات | از: پروفیسر مرزا محمد منوّر | ۷ |
| ۲۔ پیش لفظ | از: جسٹس ایس اے رحمٰن | ۱۷ |
| ۳۔ تصدیق | | ۱۸ |
| ۴۔ مکاتیب | | ۱۹ |
| ۵۔ مکتوباتِ گرامی | | ۷۷ |
| ۶۔ تعارف | | ۸۵ |
| ۷۔ اسماء الرّجال | | ۹۱ |

# ملاحظات

حضرتِ علامہ نے بڑی مصروف زندگی گزاری۔ روزگار کا بڑا شعبہ وکالت تھا۔ کاروبارِ وکالت ان کی رحلت سے تقریباً تین چار سال قبل تک جاری رہا —— وہ کئی یونیورسٹیوں کے ممتحن ہوتے تھے۔ پرچے دیکھنا بڑا اعصاب آزما کام ہے۔ یہ کام وقت کو کامل بے رحمی کے ساتھ کھاتا ہے۔ پرچے دیکھنے کے دوران میں ذہن دیگر ہر مسئلے کے باب میں شل ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرتِ علامہ قومی و ملّی معاملات میں بھرپور دلچسپی لیتے تھے۔ یہاں صدارت، وہاں تقریر، یہاں بیان، وہاں خطبہ، یہاں کانفرنس، وہاں ہنگامی پبلک جلسہ۔ اسی ضمن میں مختلف شہروں کی جانب بلکہ بعض اوقات بیرونِ ملک بھی سفر۔ مزید برآں یہ کہ دینی و ملّی موضوعات پر ٹھوس مقالے اور مضمون جو اس جریدے میں یا اس اخبار میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ کہیں وضاحت ہے، کہیں دعوے، کہیں استفساری جواب، کہیں جوابی استفسار ہے۔ پھر اس "مزید برآں" پر اضافہ یہ کہ وہ بہت بڑے شاعر تھے۔ مفکر شاعر، بلکہ فیلسوف شاعر۔ حقائق کی سوجھ بوجھ رکھنے والے، اوائل و عواقب پر غائر نگاہ ڈال کر اور بحرِ تخیل میں غواصی کر کے مضمون کا گوہرِ آبدار نکال لانے والے۔ اس پر مستزاد یہ کہ گوہرِ مضمون کی تراش خراش کے ضمن میں بھی ایسے دشوار پسند کہ خدا کی پناہ! وہ ٹھوس سِلوں کو دھڑکتے ہوتے حسّاس دلوں میں تبدیل کرنے پر خونِ جگر کے قطرے کس پُر اضطراب، ذوق و شوق کے ساتھ خرچ کرتے تھے۔ اگر وہ فقط شاعری ہی کرتے اور جتنی کی ہے اس سے زیادہ بھی نہ کرتے تو جب بھی انہیں بڑا مصروف، بڑا محنتی اور جفاکش مانا جاتا، چہ جائیکہ ان کی یہ بے بہا اور بے بدل شاعری گوناں گوں دیگر دھندوں کے ساتھ ساتھ عمل میں آتی رہی۔ دراں حالیکہ ہم ایسے درجنوں شاعرانِ نامور کو جانتے ہیں جنہوں نے شاعری کے سوا بالعموم کچھ کم ہی کیا، اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ان میں سے حاوی اکثریت ایسے شعرائے عُظام کی ہے جو زندگی کے باب میں کسی مربوط فکر کے مالک نہیں، جو رہبری نہیں کرتے، جو تخلیقِ خیال و مضمون اور ندرت و جدّت کے بھی شاذ ہی مرتکب ہوتے ہیں۔ معمولاً ان کی توجہ کو کسی اعلیٰ مضمون کے بجائے کسی گِرے پڑے قافیے نے نکیل ڈال رکھی ہوتی ہے۔ وہ لوگ اپنی

اس درجے کی شاعری کو بھی بڑی تنگ مزاج اور رقیب الفطرت محبوبہ جانتے ہیں جو اپنے بیے شاعر کی توجہ کے مرکزِ وحید سے ذرا بھی کمتر حیثیت قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔ ان کی شاعری کو کوئی سوکن گوارا نہیں۔ اپنے پرستار کی توجہ میں کسی اور شے کا اشتراک گویا شرک ہے۔ کوئی بھی محبوبہ اشتراکی یعنی اشتراک پسند نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ محبوبہ جسے شاعری کہتے ہیں۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ حضرتِ علامہ نے اس عموماً سرکش محبوبہ کو بھی تابعِ حکم رکھا ہوا تھا۔ وہ ان کی ترجمان مگر خادم تھی —— ہمدرد اور دمساز خادم —— مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مضامین کے خالق اور حُسنِ بیان کے مالک تھے، وہ عام شاعروں کی طرح اپنی شاعری کے مخلوق اور قوافی کے مملوک نہ تھے۔ اس کے باوصف یہ حقیقت اپنی جگہ بڑی مرعوب کن اور باوقار حقیقت ہے کہ حضرتِ علامہ نے جتنی شاعری کی اور جس پائے کی شاعری کی اس نے ان کی زندگی کے قیمتی ایام کے خزینے میں سے اَن گِنت نذرانے وصول کیے ہوں ——

ان کے سوانح سے عیاں ہے، کہ ان جملہ مذکورہ شعبہ ہائے مصروفیت میں ملاقاتوں کی مصروفیت کو بھی نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ صبح ہوئی اور ملاقاتی نازل ہونے لگے، رات پڑ گئی اور ملاقاتیں جاری، ملاقاتیں اور باتیں۔ ہر نوع کے ملاقاتی اور ہر معیار کی باتیں —— ہر درجۂ فکر و نظر کے ملاقاتی اور اسی لحاظ سے قابلِ فہم باتیں، متناسب اور متوافق باتیں —— ستم یہ ہے، اس سب کچھ کے باوصف وہ پڑھتے بھی رہتے تھے اور خطوط بھی لکھتے تھے، خطوط بالعموم اپنے قلم سے لکھتے تھے۔ عمر کے آخری حصے میں جب نظر کمزور ہو گئی تو املا بھی کرانے لگے تھے، اور مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ عرصہ کامل سال کا عرصہ نہیں بنتا جب انھوں نے خود اپنے قلم سے خط لکھنا بالکل ترک کر دیا ہو، مجھے یاد ہے مَیں نویں یا دسویں کا طالبعلم تھا جب مَیں نے ایک خط مئی ۱۹۳۰ء کا حضرتِ علامہ کے اپنے ہاتھ کا مرحوم قریشی محمد عبداللہ شاہ مرحوم (ایڈووکیٹ سرگودھا) کے یہاں دیکھا تھا، اس خط کے مخاطب خود قریشی صاحب موصوف ہی تھے اور یہ خط حضرتِ علامہ نے قریشی صاحب کے چچا قریشی علی مردان شاہ مضطر ہاشمی شاہپوری کی وفات پر بطورِ تعزیت لکھا تھا، عنوان تھا "ڈیر عبداللہ شاہ"۔ مضطر ہاشمی مرحوم کے حضرتِ علامہ سے نیازمندانہ و دوستانہ روابط تھے، وہ فارسی اُردو میں شعر کہتے تھے، فارسی میں مولانا گرامی سے اصلاح لیتے تھے۔

اب ذرا اہلِ نظر غور فرمائیں کہ حضرتِ علامہ نے اِن گوناگوں اور بے حساب مصروفیتوں کے باوصف اتنے خط کیونکر تحریر کر ڈالے؟ اور پھر یہ بھی ظاہر ہے، کہ یہ سینکڑوں خطوط جو زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں حضرتِ علامہ کے خطوط کا میزانِ کُل نہیں۔ خدا جانے وہ خطوط جو ضائع ہو گئے کتنے

تھے، ابھی درجنوں خطوط مختلف عزیزوں اور بزرگوں کے پاس موجود ہیں جو کسی مجموعے میں شامل نہیں۔ تقسیمِ برِعظیم کے باعث بھی اِن خطوط کا ایک بیش قرار مجموعہ برباد ہوا، تاہم جس قدر خطوط مختلف مجموعوں میں چھپ چکے ہیں ان کی تعداد بھی حیرت ناک حد تک زیادہ ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ غالبؔ کے سوا اُردو کے شاید ہی کسی دوسرے شاعر نے اتنے خطوط لکھے ہوں، یہ الگ بات ہے کہ غالبؔ نے اُردو خطوط اُس دَور میں لکھے جب وہ شاعری تقریباً ترک کر چکے تھے، خصوصاً ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد تایومِ وفات تقریباً بارہ برس مرزا غالب کی غالب مصروفیت خط لکھنا تھا، مکتوب نگاری مرزا غالب کا مشغلۂ حیات بن گئی تھی۔ وہ خود ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مَیں اگر خط نہ لکھتا تو لفافے بنایا کرتا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مرزا غالبؔ کے خطوط کا ایک حصّہ محض خیریت پُرسی اور خیریت نویسی پر منحصر تھا غالبؔ مکتوب الیہ کو جلیس و ندیم جان کر مکالمہ کی تسکین کر لیتے تھے ـــــ یہ احساس تنہائی کا شاخسانہ تھا اور غزل کے قاصد و پیامبر نے ڈاکیے کا رُوپ دھار لیا تھا۔

اس کے مقابل حضرتِ علامہ کے خطوط کی کثرتِ کثیرہ لوگوں کے مکاتیب کا جواب ہے۔ وہ مکتوب الیہم کم ہیں جن کی طرف حضرتِ علامہ نے خط لکھنے میں پہل کی، محض تنہائی سے گھبرا کر یا فارغ ایام کی شکم پُری کے لیے انہوں نے شاید ہی کبھی خط لکھا ہو، ان کے پاس فالتو وقت تھا ہی کہاں، بلکہ اُلٹا حیرت ہوتی ہے کہ وہ ہر خط کا جواب لکھنے کے لیے وقت نکال کیسے لیتے تھے، اور یہ امر اپنی جگہ حقیقت ہے کہ وہ ہر خط کا جواب دیتے تھے، ان کے وہ رفقا جن کی زیارت کا ہمیں شرف حاصل ہُوا ہے سب اس امر کے مؤید ہیں کہ حضرتِ علامہ خواہ دوسطری جواب دیں مگر خط کا جواب ضرور دیتے تھے اور حتیٰ الامکان جلد از جلد۔

حضرتِ علامہ نے اپنے والدِ بزرگوار اور بڑے بھائی شیخ عطا محمد اور اسی طرح دیگر اعزّہ و اقربا کو بھی بہت سے خط لکھے۔ ظاہر ہے کہ اِن خطوط میں خانگی اور ذاتی معاملات بھی عنوانِ تحریر بنے ہوں گے۔ ان خطوط میں کچھ تو بعض کتب میں آ گئے مگر حاوی اکثریت تاحال غیر مطبوعہ ہے۔ پچھلے یومِ اقبال پر یعنی ۲۱ اپریل ۱۹۸۱ء کو جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب نے اپنے خطبے میں دو تین غیر مطبوعہ مکاتیب کا ذکر کیا تھا جو حضرتِ علامہ نے اپنے والدِ بزرگوار کو لکھے اور جن میں حضرتِ علامہ نے اپنے روحانی احوال و مسائل کا ذکر کیا تھا۔ وہ بقول ڈاکٹر جاوید اقبال عنقریب بہت سے ایسے خطوط جن کے مکتوب الیہ حضرتِ علامہ کے والدِ بزرگوار شیخ نور محمد تھے طبع ہو کر منصّۂ شہود پر آ جائیں گے۔

زیرِ نظر مجموعۂ مکاتیب کے مکتوب الیہ خان محمد نیاز الدین خان ہیں جو بستی دانشمنداں ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے، اس مجموعے کا پہلا ایڈیشن بزم اقبال لاہور نے ۱۹۵۴ء میں شائع کیا تھا، اس مجموعے کے آغاز میں مرحوم جسٹس ڈاکٹر ایس اے رحمٰن صاحب نے اپنی تصدیق ثبت کی تھی کہ طبع ہونے والے خط مطابقِ اصل ہیں۔ مجموعے میں شامل اناسی (۷۹) خطوط میں سے فقط ایک کے باب میں جناب ایس اے رحمٰن نے یہ فرمایا کہ اس کا اصل سے مقابلہ نہیں کیا گیا۔

آج تک حضرتِ علامہ کے خطوط کے آٹھ نو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ابھی مزید ہوں گے، ایک ہی مکتوب الیہ کی جانب مرقوم خطوط کا ایک مجموعہ وہ ہے، جن کے مکتوب الیہ مہاراجہ کشن پرشاد ہیں۔ دوسرا مجموعہ ان خطوط پر مبنی ہے جو عطیہ فیضی کو لکھے گئے، وہ اصلاً انگریزی میں تھے، اردو میں ان کا ترجمہ شائع ہوا۔ اسی طرح ایک مجموعہ ان مکاتیب پر مشتمل ہے جو مولانا گرامی کے نام مسطور ہوتے ـــــ ہر مکتوب کا متن بتا دیتا ہے کہ مکاتیب کے طرفین کے مابین تکلف یا بے تکلفی کا درجہ کیا ہے ـــــ بالعموم علامہ کے خطوط میں سنجیدگی کا پہلو سب دیگر اوصاف سے نمایاں تر ہے، محض کہیں کہیں کسی مطایبے یا کسی ظرافت و طنز کی سی صورت پیدا ہوتی ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ علامہ نسبتاً زیادہ بے تکلف صرف انہی خطوط میں ہیں جن کے مخاطب مولانا گرامی ہیں۔ ویسے ہونا یہ چاہیئے تھا کہ حضرتِ علامہ کے خطوط کا ایک حصّہ واقعی بے تکلف ہوتا۔ ان کے حاضرینِ مجلس بتاتے ہیں کہ وہ باتوں باتوں میں فی البدیہہ لطیفے پیدا کر لیتے تھے۔ چنانچہ مرزا غالبؔ نے جو خط بے تکلف دوستوں کے نام رقم کیے وہ شگفتگی اور زندہ دلی کا آہنگ لیے ہوتے ہیں اور ان کی تعداد اچھی خاصی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ مکتوب الیہم کی دلچسپی کے مطابق ہی مکاتیب میں امور رقم پذیر ہوتے ہیں۔ علامہ نے جو خطوط مختلف مکتوب الیہم کے نام لکھے ان میں شاید ہی کسی اور مکتوب الیہ کے ساتھ کبوتروں کے باب میں اپنے شوق کو یوں بے تکلفی کے ساتھ بیان کیا ہو، اور پتہ چلتا ہے کہ حضرتِ علامہ کو کبوتروں سے اچھا خاصا شغف تھا۔ مثلاً مکتوب نمبر ۱۶ میں فرماتے ہیں۔

"کچھ مضائقہ نہیں اگر شیخ عمر بخش صاحب کبوتر نہیں لاتے، مَیں چاہتا ہوں کہ کبوتر یہاں اکتوبر میں آئیں۔ اس سے پہلے نہ آئیں، مَیں چند روز تک سیالکوٹ جانے والا ہوں۔"

مکتوب نمبر ۱۷ میں کبوتروں کے مل جانے پر شکریہ ادا کیا گیا ہے، پھر مکتوب نمبر ۱۹ میں کبوتروں کے دو جوڑے مل جانے کا ذکر ہے۔ مکتوب نمبر ۲۹ بڑا دلچسپ ہے، یہ مکتوب ایک طرح سے کبوتر نامہ یا نامۂ کبوتر بھی قرار پا سکتا ہے۔

"کبوتروں کے دو جوڑے جو آپ نے بکمال عنایت عطا فرمائے تھے ان میں سے ایک جوڑا بچے نہیں دیتا، انڈے توڑ دیتا ہے، اور دوسرے کبوتروں کے نیچے بھی اس کے انڈے رکھے جائیں تو بچے نہیں نکلتے، دوسرے جوڑے نے بچے نکالے مگر ان میں دو جو بہت اڑتے تھے شکاری جانوروں کا شکار ہو گئے ـــــ ایک باقی ہے، جوڑے میں نر ضعیف اور کمزور ہے ـــــ میں نے لدھیانے بھی لکھا ہے اور شاہجہان پور سے بھی انشاء اللہ کبوتر آئیں گے۔

آپ کے صاحبزادے نے ذکر کیا تھا کہ فیروز پور میں کوئی شخص ہے جو کبوتروں کو مستقل رنگ دے سکتا ہے، جو رنگ ان کے بچوں میں منتقل ہو سکتا ہے۔ مہربانی کر کے صاحبزادے سے دریافت کیجئے کہ اس آدمی کا پتہ کیا ہے، کل کرنل سٹیفن صاحب سے کبوتروں کے متعلق بہت گفتگو ہوئی۔ انہوں نے چند کتابوں کے نام لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔" (کبوتر داروں کو کبوتر دار کہاں کہاں سے اُڑ کر آن ملتے ہیں)

اسی طرح خط نمبر ۴۴ میں انہی انڈے توڑ دینے والے کبوتروں کا پھر ذکر ہے اور مزید ایک دو جوڑے کا مطالبہ ہے ـــــ مکتوب نمبر ۴۱ میں مرقوم ہے:-

"سیالکوٹ، گجرات اور شاہجہاں پور سے کبوتر منگوائے مگر اتنی تعداد اچھے خواص کی کسی نسل میں جمع نہیں جتنی کہ آپ کے کبوتروں میں ہے۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ ظاہری شکل خوب صورت، اور اس کے ساتھ اڑان اور کھیل ـــــ

پھر یہی مضمون مکتوب نمبر ۵۱ میں دہرایا گیا ہے۔

"کبوتر بہت سے شاہین نے ضائع کر دیئے، آپ کے کبوتر ایک دو کو چھوڑ کر سب محفوظ ہیں۔"

گزشتہ سطور سے یہ تو واضح ہو گیا کہ نیاز الدین خان کے صاحبزادے کا ذوق کبوتر داری بڑا مصفا تھا اور یہی عالم حضرتِ علامہ کا تھا، وہ بھی خاصے کبوتر شناس اور کبوتر پرور تھے۔ نیز یہ کہ علامہ کبوتر، صرف خان نیاز الدین خان ہی کے یہاں سے نہیں حاصل کرتے تھے بلکہ اور مقامات سے بھی کبوتروں کی رسد پہنچتی تھی، مکتوب نمبر ۴۲ بڑا دلچسپ ہے۔ اس میں علامہ کا طبعی طنز اور پھر شریف مکہ کی ۱۹۱۷ء والی کارستانی پر حضرت علامہ کی رنجیدگی جھلک رہی ہے، لکھتے ہیں:

"نواب ابراہیم علی خان صاحب نے گنج پورہ سے چند سفید کبوتر بھیجے ہیں۔ دیکھنے میں وہ نہایت اچھے ہیں، کیا عجب کہ اوصاف میں بھی اچھے ہوں چونکہ بھیجنے والا بانیٔ کعبہ کا ہم نام ہے اس واسطے مَیں نے ان کبوتروں کو کبوترانِ حرم کا خطاب دے دیا ہے، مگر افسوس ہے کہ آج کل کے کبوترانِ حرم پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا، کسی فارسی استاد کا شعر تھا، مَیں نے اس پر ایک اور شعر لگا کر شریفِ حرم کو خطاب کیا ہے ؎

بامرغِ حرم ازمنِ دل سوختہ فرما
اے آنکہ بصحرا نفس آزاد برآری!
جویائے گلستانی واز طالعِ گمراہ!!!
ترسم کہ سر از خانۂ صیاد برآری!

زندہ دلی اور طنز کی ایک جھلکی سی مکتوب نمبر ۱۸ میں بھی ہے۔ ارشاد ہے:
"آپ کے کبوتر بہت اچھے ہیں مگر افسوس کہ زمانۂ حال کی مغربی تہذیب سے متأثر معلوم ہوتے ہیں مقصود اس سے یہ ہے کہ بچوں کی پرورش سے بہت بیزار ہیں۔"
یہی زندہ دلی دو ایک مقام پر حضرت گرامی کے ذکر میں جلوہ سا دکھاتی ہے، کہتے ہیں:
"گرامی صاحب اپنے شعر کا فوری اثر دیکھتے تو نہ صرف میری ولایت کے قائل ہو جاتے بلکہ اپنی ولایت میں بھی انہیں شک نہ رہتا۔ امید کہ ان کا روپیہ حیدر آباد سے آ گیا ہو گا، لیکن اگر پریشانی ان سے ایسے اشعار لکھواتی ہے تو اہلِ ذوق کو حضور نظام کی خدمت میں ایک عرضداشت اس مضمون کی بھیجنی چاہیئے کہ ان کا منصب بند کر دیا جائے۔"
مکتوب نمبر ۲۸ میں رقم طراز ہیں:
"تعجب ہے کہ آپ غزل تو مولوی گرامی صاحب کی صحبت میں لکھیں اور اصلاح کے لیے مجھ سے ارشاد ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اصفہان میں رہنا اور سُرمہ ہندوستان سے خریدنا۔

ان (گرامی) سے کہیئے کہ علم کی ہجو میں کوئی شعر فرمایئے مگر صوفیانہ رنگ میں نہ ہو، یعنی العلم حجاب الاکبر کا رنگ نہ ہو۔"
مکتوب نمبر ۲۴ میں بھی گرامی صاحب کا ذکر ہے۔

"گرامی صاحب کی صحبت، نیاز کو نظامی بنا ڈالے گی، ۔۔۔۔ گرامی صاحب کی تپ کوئی بات نہیں، شاعروں کو قدرتی تپ ہوتی ہے"۔

ہر خط لکھنے والے کی "سیرت" کا کچھ نہ کچھ پرتو ضرور ہوتا ہے۔ اِن خطوط میں بھی جو ظاہر ہے کہ اکثر نیاز الدین خان صاحب کے مکاتیب کے جواب میں مسطور ہوتے، باہمی دلچسپی کی باتیں سامنے آئیں۔ کبوتر، شاعری، مولانا گرامی ـــــ اِس کے علاوہ نیاز الدین خان کا بھی علامہ کی طرح دینِ اسلام اور تصوف سے شغف ظاہر ہے ورنہ حضرتِ علامہ ان سے اِس موضوع پر بات کیوں کرتے مثلاً خط نمبر۲ میں مرقوم ہے۔

"تاریخِ تصوف لکھ رہا ہوں، دو باب لکھ چکا ہوں، منصور حلاج تک چار پانچ باب اور ہوں گے، ابن جوزی نے تصوف پر جو کچھ لکھا اس کا بھی ایک حصّہ کتاب کے ساتھ چھاپنے کا ارادہ تھا۔ لکھا ہے کہ مترجم سے مَیں نے اجازت لے لی ہے۔

تصوف کے ادبیات کا وہ حصّہ جو اخلاق و عمل سے تعلق رکھتا ہے قابلِ قدر ہے۔ اس کے پڑھنے سے طبیعت پر سوز و گداز کی حالت طاری ہوتی ہے۔ فلسفے کا حصّہ محض بیکار ہے اور بعض صورتوں میں میرے خیال میں تعلیمِ قرآن کے مخالف، ظاہر شریعت ہے، تصوف باطن، ظاہر معرضِ خطر میں ہو تو باطن کا کیا مطلب"؟

اسی ضمن میں مکتوب نمبر۵ ایک مضمون کا حوالہ بردار ہے جو مجلّہ "وکیل" میں شائع ہوا تھا اور جس کا عنوان تھا "علمِ ظاہر و علمِ باطن" مکتوب نمبر۵ ہی میں علامہ کہتے ہیں:۔

"ایک اور مضمون لکھ رہا ہوں جو بالکل نرالا ہے۔ آج تک غالباً ایسا نہیں لکھا گیا۔ جن علماء نے تصوّفِ وجودیّہ کی مخالفت کی ہے ان کی توجہ کبھی اس طرف نہیں ہوئی۔ آپ دیکھیں گے تو داد دیں گے"۔

محوّلہ بالا سطور سے عیاں ہے کہ مکتوب الیہ کو تصوّف سے خاصی دلچسپی تھی۔ ورنہ انہیں اس باب میں مخاطب نہ بنایا جاتا۔ مگر ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاریخ تصوف جس کا ایک حصّہ لکھا جا چکا تھا بیچ ہی میں کیوں دھری رہ گئی؟ ـــــ اور وہ اوراق جن پر آغاز کے ابواب مرقوم تھے کہاں ہیں۔ حضرت علامہ ملفوظات اور مکتوبات میں بعض دیگر موضوعات پر بھی کُتب مرتب کرنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں، مگر وہ ارادہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا۔ بعض مقالات جو لکھے گئے اور چھپ گئے، ایسے بھی ہیں جو ابھی تک کسی مجموعے میں شامل نہیں ہوتے۔ کوئی جوان دیوانہ

کھوجی ہمت کرے، ڈھونڈے اور "تالیفِ نسخہ ہائے وفا" سے مشرف ہو۔

سطورِ بالا میں عجمی تصوف کے باب میں حضرتِ علامہ کا نقطۂ نظر واضح طور پر سامنے آجاتا ہے اور اس باب میں حضرتِ علامہ کے احساسات کی شدت اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ عجمی تصوف نے مسلمانوں کو اسلام کی اصل روح سے بے حد دُور کر دیا ہے، ان کی اصلاح بڑی ہی مشکل ہے حتیٰ کہ مکتوب نمبر ۵، میں ارشاد ہوتا ہے

"خود نبیِ اکرمؐ آکر تعلیم دیں تو موجودہ حالات اور کیفیات کے باعث لوگ حضورؐ کی تعلیمات کو سمجھ نہ سکیں گے۔"

قرآنِ کریم سے شغف اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت اور محبت حضرتِ علامہ کے لیے بمنزلۂ روحِ ایمان و آگہی ہے۔ اِن خطوط میں بھی اس کیفیت کی جھلکی دیکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً مکتوب نمبر ۲۵ میں تحریر ہوا ہے:۔

"نبیِ کریمؐ کی زیارت مبارک ہو، اِس زمانے میں یہ بڑی سعادت ہے۔ دوسری رؤیا کا بھی مفہوم یہی ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیے تاکہ قلب، محمدیؐ نسبت پیدا کرے، اِس نسبتِ محمدیہ کی تولید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آتے ہوں۔ خلوص و محبت کے ساتھ محض قرأت کافی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبیِ کریم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہؓ ہُوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقاید کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہو گا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں۔"

آخری جملہ ہی وہ حقیقت ہے جو مکاتیب ادب کی اہمیت کی جان ہے۔ "اس واسطے خاموش رہتا ہوں" ــــ یعنی وہ لوگ جو اوراح سے استمداد کو رشتۂ محبت و اُنس سے کاٹ کے کسی اور معنی پر مدلول قرار دیتے ہیں شاید یہ بات برداشت نہ کریں کہ حضور نبیِ اکرمؐ کو زندہ مانا جائے وہ اس پر بھی بگڑیں گے کہ آپؐ کی صحبت سے اسی طرح فیض براہِ راست حاصل کیا جا سکتا ہے جیسے حضورؐ کے صحابِ کرامؓ حاصل کرتے تھے۔ حضرتِ علامہ نے یہ بات خط میں کھل کر کہہ دی ہے ــــ حق یہ ہے کہ خطوط کو سنبھالنے اور پھر منصۂ شہود پر لانے کے لیے یہی امر توقیع جواز ہے کہ لکھنے والا خطوط میں بہت سی ایسی باتیں لکھ جاتا ہے جو وہ عام قارئین کے لیے تحریر نہیں کرتا۔ خط ایک طرح سے دمسازی اور رازداری کا شعبہ ہے، خط میں، لکھنے والا، کچھ نہ کچھ "بے تکلفی" اور "بے احتیاطی" کر ہی بیٹھتا ہے لہٰذا خانۂ دل

میں مستور رہنے والے اسرار بھی اہلِ نظر سے تانک جھانک کر لیتے ہیں — میں سمجھتا ہوں کہ حضرتِ علامہ کے افکار و عقائد کو سمجھنے کے لیے ان کے مکاتیب کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ غالب کی شاعری، غالب کے افکار و تخیل کی زنگا رنگی سے تو متعارف کرا دیتی ہے مگر غالب ایک فردِ منفرد کی حیثیت سے سامنے نہ آتے اگر مکاتیبِ غالب کی فراواں مقدار ہدفِ مطالعہ نہ بنتی۔ اسی طرح سرسید احمد خان کے مقالات و خطبات کا معاملہ ہے۔ ان میں سرسید ایک مردِ محقق و متکلم نظر آتے ہیں۔ کڑی منطق، خشک استدلال، مگر وہ سرسید جو زندہ دل، جذباتی، دینِ رسولؐ کے شیدائی اور دوست پرور شخص محترم تھے، وہ اپنی بھرپور شانِ دل آویزی کے ساتھ اپنے خطوط ہی کے آئینے میں اُبھرتے ہیں۔ حضرتِ علامہؒ کا معاملہ خاصا مختلف ہے، ان کی حیاتِ عقلی و قلبی ایک "شجرۂ طیبہ" کے بطور جس طرح تدریجاً ارتقا پذیر ہوتی وہ ان کے اشعار سے بالکل عیاں ہے۔ اس کے علاوہ ان کے مضامین، مقالات، خطبات، بیانات ملفوظات وغیرہ ہیں، جو بہت کچھ بتا دیتے ہیں اس کے باوصف بہت سی وضاحتیں اور شرحیں، بہت سی اُمنگیں اور آرزوئیں ایسی ہیں جو فقط ان کے خطوط میں ملتی ہیں۔ وہ کیا کیا کچھ لکھنا چاہتے تھے اور نہ لکھ سکے یہ امر بھی ان کے خطوط ہی سے عیاں ہے، جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ بعض موضوع اور بعض پروگرام انہیں کتنے عزیز تھے اور یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کیوں اتنے عزیز تھے۔

نیاز الدین خان کے ساتھ یہ مکاتبت جہاں یہ بتاتی ہے کہ مکتوب الیہ دین دار، متصوف اور متدین شخص تھے، وہاں یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ شعر گوئی سے بھی قدرے شغف رکھتے تھے۔ یہ امر بھی واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ انہیں حضرتِ علامہ سے بڑی عقیدت تھی اور وہ ان سے ملنے کے مشتاق رہتے تھے مگر حضرتِ علامہ ہیں کہ نیّت و ارادہ کے باوصف جالندھر نہیں پہنچ سکتے، کبھی عدمِ فرصت حائل کبھی طبیعت کی ناسازی — ساتھ ہی ساتھ یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ رفتہ رفتہ انفرادی ملاقات محض برائے ملاقات کا حضرتِ علامہ کے دل سے شوق ختم ہوتا جا رہا تھا — بلکہ وہ احباب اور اہلِ عقیدت کے جمگھٹے میں بھی شدید احساسِ تنہائی میں مبتلا رہتے تھے، مثلاً مکتوب نمبر۲ میں رقم کیا ہے۔

"میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں، مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں"۔

حق یہ ہے کہ "جس نے سوچا، رہ گیا تنہا — وہ لوگ جو عقیدے اور اصول کے ساتھ جیتے ہیں اور زندگی میں بلند مقاصد پیشِ نظر رکھتے ہیں وہ بظاہر کتنے ہی جلوتی ہوں درحقیقت سراسر خلوتی رہتے ہیں۔ یہ امر اُنہیں زندگی کے عام امور سے کچھ ایسا بے نیاز بنا دیتا ہے کہ عام دیکھنے والے کو حیرت ہوتی ہے حالانکہ شخصِ متعلق کے لیے اس میں معمول سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ حضرتِ علامہ کے اِن مکاتیب سے یہ بھی

معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بے نیازی خود کھانے پینے کے معاملات میں بھی کارفرما تھی۔ مثال کے طور پر مکتوب نمبر ۱ میں لکھتے ہیں۔

"کھانے کی چیزوں میں فقط یہی ایک چیز (آم) ہے جس کے لیے میرے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے، باقی چیزوں کے لیے خواہش پیدا نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ روزمرہ کا کھانا بھی عادت کے طور پر کھاتا ہوں۔"

یہی بے نیازی ایک سے زیادہ خطوں میں ایک اور باب میں بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً نیازالدین خان علامہ کی کسی غزل کی نقل چاہتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ کسی وقت ڈھونڈوں گا، غزل سامنے نہیں، ایک جگہ یہ جواب دیا کہ غزل سامنے نہیں ہے۔ مل گئی، نقل کرا دوں گا اور بھجوا دوں گا ورنہ جب آپ لاہور تشریف لائیں تو خود نقل فرما لیں ــــ کسی شاعر سے کوئی اس کے کسی شعر پارے کی نقل مانگے تو یہ بات شاعر کے لیے باعثِ مسرت و افتخار ہوتی ہے۔ لیکن علامہ اس معاملے میں بھی بس "اللہ لوک" تھے، پنجابی میں "اللہ لوک" درویش اور بہت ہی بے نیاز و بے پروا شخص کو کہتے ہیں۔

اِن خطوط میں بھی حضرتِ علامہ کی صحت کا منظر خرابی بار بار جلوہ دکھاتا ہے۔ گویا ۱۹۱۶ء میں بھی دردِ گردہ کا دورہ پڑا تھا۔ وہ رمضان کے دن تھے۔ اور حضرتِ علامہ کے روزے خراب ہوتے تھے۔ بیماریاں بڑھتی ہی رہیں حتیٰ کہ ہوتے ہوتے حضرتِ علامہ مرکب امراض کا مُرکّب بن گئے، مگر رُوح وہ پختہ کار اور مضبوط راکب تھی کہ اس کی کارروائی میں تادمِ آخر کوئی خلل دَر نہیں آیا۔

یہ خط جنوری ۱۹۱۶ء سے لے کر جون ۱۹۲۸ء تک کے تقریباً ساڑھے بارہ برس کے عرصے کو محیط ہیں۔ تعداد ۷۹ ہے، اکثر مختصر خطوط ہیں مگر بہر حال اپنے کاتب کی شخصیت کا آئینہ ہیں۔ اِن مکاتیب سے خان نیازالدین صاحب سے بھی قدرے تعارف ہو جاتا ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس ننھے مُنّے سے مجموعۂ مکاتیب نے خان صاحب کو حیاتِ جاوید بخش دی۔ مردانِ حُرّ دوامی قدروں کی طرح لافانی ہیں۔ اِن مردانِ حُرّ سے ذرا سی نسبت بھی لافانی بنا دیتی ہے۔

(پروفیسر) محمد منوّر
ڈائرکٹر اقبال اکادمی۔ پاکستان لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیش لفظ

علامہ اقبال رح کے ۷۹ خطوں کا یہ مجموعہ طباعت کے لیے مکتوب الیہ کے دو صاحبزادوں خان افتخار الدین احمد اور خان نفیس الدین احمد کے ادبی ذوق کا مرہونِ منت ہے۔ اس میں صرف دو خط ایسے شامل ہیں جو شیخ عطاء اللہ صاحب کے مرتبہ مجموعۂ مکاتیبِ اقبال (اقبال نامہ) میں شائع ہو چکے ہیں۔ باقی غیر مطبوعہ ہیں۔ مکتوب الیہ خان نیاز الدین خان مرحوم بستی دانشمنداں (جالندھر) کے رئیس اور علم و ادب سے شغف رکھنے والے بزرگوں میں سے تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنا کلام وقتاً فوقتاً بغرضِ اصلاح علامہ مرحوم کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے۔ ادبی موانست کے علاوہ ایک اور قدرِ مشترک کاتب و مکتوب الیہ میں یہ تھی کہ دونوں اعلیٰ نسل کے کبوتروں کے ناقد تھے۔ قارئین اس موضوع پر متعدد خطوط میں تصریحات پائیں گے۔

کسی مشہور و معروف علمی اور ادبی شخصیت کے نجی خطوط کی اشاعت ایک نازک مسئلہ ہے جس کے متعلق مختلف رائیں ہو سکتی ہیں۔ خود علامہ مرحوم اس بارے میں ایک مخصوص نظریہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک خط میں خان صاحب موصوف کو لکھتے ہیں:۔

"عدیم الفرصتی تحریر میں ایک ایسا انداز پیدا کر دیتی ہے جس کو پرائیویٹ خطوط میں معاف کر سکتے ہیں۔ مگر اشاعت اُن کی نظرِ ثانی کے بغیر نہ ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ میں پرائیویٹ خطوط کے طرزِ بیان میں خصوصیت کے ساتھ لاپرواہ ہوں۔ اُمید ہے آپ میرے خطوط اشاعت کے خیال سے محفوظ نہ رکھتے ہوں گے۔"

علامہ کی وفات کے بعد نظرِ ثانی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن شاید وہی بے ساختگی اور بے تکلفی جس کی طرف علامۂ مرحوم نے مندرجہ بالا اقتباس میں اشارہ کیا ہے، ایک محبوب شخصیت کے مبہم گوشوں کو بے نقاب کرنے میں از حد مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ مزید برآں اکثر خطوط میں علامۂ مرحوم نے کسی نہ کسی اہم علمی یا ادبی موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور بڑے بڑے لطیف نکتے بیان کیے ہیں جن سے اُن کے نظامِ فکر کی توضیح میں امداد لی جا سکتی ہے۔ اس لیے دلدادگانِ اقبال کو خان افتخار الدین احمد خان اور خان نفیس الدین احمد خاں کا سپاس گزار ہونا چاہیے کہ وہ اپنے والدِ مرحوم کے اس ادبی اور علمی ورثہ کو تقسیمِ ملک کے بعد، سینے سے لگا کر مشرقی پنجاب کی پُر آشوب فضا سے نکال لائے اور اب اُس کی طباعت کا اہتمام بزمِ اقبال کے سپرد کر کے اقبالیات کے ذخیرہ میں ایک بیش بہا اضافہ کر رہے ہیں۔

لاہور
یکم فروری، ۱۹۵۳ء

ایس۔ اے۔ رحمٰن

# تصدیق

میں نے اصل خطوط جو خان نیاز الدین خان مرحوم کے صاحبزادوں کے قبضہ میں ہیں، دیکھ لئے ہیں اور اُن کا مقابلہ اس مجموعہ کی مشمولہ نقول سے بہ دقتِ نظر کر لیا ہے۔ خط ۳۲ اُس نقل کی نقل ہے جو خان نفیس الدین احمد صاحب کے مسوّدہ پر موجود ہے، لیکن اصل خط کہیں پس وپیش ہو گیا ہے اور میری نظر سے نہیں گزر سکا۔ البتہ سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ یہ بھی علامہ مرحوم کے کسی خط کی صحیح نقل ہے۔ باقی خطوط مشمولۂ مجموعۂ ہذا کی نسبت تصدیق کی جاتی ہے کہ وہ اصل خطوط کی صحیح نقول ہیں۔

ایس۔ اے۔ رحمٰن

۸ر جولائی، ۱۹۵۴ء

# مکاتیبِ اقبال

## ۱

لاہور - ۱۹ر جنوری ۱۹۱۶ء

مخدومی! السّلام علیکم

الحمدللہ کہ آپ نے مثنوی کو پسند فرمایا۔ سیّد ولی اللہ شاہ صاحب کا رسالہ میں نے دیکھا ہے۔ یہی افلاطونیت جدید ہے جس کا اشارہ میں نے اپنے مضمون میں کیا ہے فلسفۂ افلاطون کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے جس کو ایک پیرو Plotnius نے مذہب کی صورت میں پیش کیا۔ عیسائیت کی ابتدائی صدیوں میں رومی دنیا میں یہ مذہب نہایت مقبول تھا۔ اس کی آخری حامی ایک عورت تھی Hypatia نام، جس کو عیسائیوں نے ہی مصر میں نہایت بیدردی سے قتل کرادیا تھا۔ مسلمانوں میں یہ مذہب حران کے عیسائیوں کے تراجم کے ذریعہ سے پھیلا اور رفتہ رفتہ مذہبِ اسلام کا ایک جزو بن گیا۔ میرے نزدیک یہ تعلیم قطعاً غیر اسلامی ہے اور قرآن کریم کے فلسفے سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ تصوّف کی عمارت اسی یہودگی پر تعمیر کی گئی۔ والسّلام

آپ کا خادم
محمد اقبال

## ۲

لاہور، ۱۳ر فروری ۱۹۱۶ء

مخدومی! السّلام علیکم

والانامہ ملا، مشکور فرمایا۔

میرا تو خیال تھا کہ فرصت کا وقت مثنوی کے دوسرے حصّہ کو دوں گا جو پہلے سے زیادہ ضروری ہے مگر خواجہ حسن نظامی نے بحث چھیڑ کر توجہ اور طرف منعطف کر دی ہے۔ تصوّف کی تاریخ لکھ رہا ہوں۔ دو باب لکھ چکا ہوں یعنی منصور حلاّج تک پانچ چار باب اور ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی علاّمہ ابنِ جوزی کی کتاب کا وہ حصّہ بھی شائع کر دوں گا۔ جو انھوں نے تصوف پر لکھا ہے۔ گو ان کی ہر بات میرے نزدیک قابلِ تسلیم نہیں مگر اس سے اتنا تو ضرور معلوم ہو گا کہ علمائے محدثین اس کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں۔ ابنِ جوزی کی کتاب مطبع مجتبائی دہلی سے ملتی ہے مگر آپ اس پر روپیہ خرچ نہ کریں کیونکہ اس کا ضروری حصّہ میری تاریخِ تصوّف کے ساتھ شائع ہو جائے گا۔ میں نے مترجم سے چھاپنے کی اجازت لے لی ہے۔

تصوّف کے ادبیات کا وہ حصّہ جو اخلاق و عمل سے تعلّق رکھتا ہے نہایت قابلِ قدر ہے کیونکہ اس کے پڑھنے سے طبیعت پر سوز و گداز کی حالت طاری ہوتی ہے۔ فلسفہ کا حصّہ محض بیکار ہے اور بعض صورتوں میں میرے خیال میں تعلیم قرآن کے مخالف۔ اسی فلسفے نے متاخرین صوفیہ کی توجہ صُوَر و اشکالِ غیبی کے مشاہدہ (کی) طرف کر دی اور ان کا نصبُ العین محض غیبی اشکال کا مشاہدہ بن گیا۔ حالانکہ اسلامی نقطۂ خیال سے تزکیۂ نفس کا مقصد محض ازدیادِ یقین و استقامت ہے۔ اخلاقی اور عملی اعتبار سے متصوفینِ اسلامیہ کی حکایات و مقولات کا مطالعہ نہایت مُفید ہے لیکن دین کی اصل حقیقت ائمہ اور علماء کی کتابیں پڑھنے سے ہی کُھلتی ہے اور آج کل زمانے کا اقتضاء یہ ہے کہ علمِ دین حاصل کیا جائے اور اسلام کے علمی پہلو کو نہایت وضاحت سے پیش کیا جائے۔ حضرات صوفیہ خود کہتے ہیں کہ شریعت ظاہر ہے اور تصوّف باطن۔ لیکن اس پُر آشوب زمانے میں وہ ظاہر جس کا باطن تصوّف ہے، معرضِ خطر میں ہے اگر ظاہر قائم نہ رہا تو اس کا باطن کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ مسلمانوں کی حالت آج بالکل ویسی ہے جیسے کہ اسلامی فتوحاتِ ہندوستان کے وقت ہندوؤں کی تھی یا ان فتوحات کے اثر سے ہو گئی۔

ہندو قوم کو اس انقلاب کے زمانے میں منو کی شریعت کی کورانہ تقلید نے موت سے بچا لیا۔ اپنی شریعت کی حفاظت کی وجہ سے ہی یہودی قوم اس وقت تک زندہ ہے ورنہ اگر

نیلو (پہلا یہودی منصوف) قوم کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتا تو آج یہ قوم دیگر اقوام میں جذب ہو کر اپنی ہستی سے ہاتھ دھو چکی ہوتی۔ والسّلام۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

خاکسار

محمد اقبال ، لاہور

۳

ڈیئر خان صاحب ! السّلام علیکم

خط ابھی ملا ہے۔ آپ کا خط غلطی سے حیدری صاحب کے لفافے میں پڑ گیا جس کا مجھے سخت افسوس ہے۔ میں اس وقت عجلت میں تھا۔ حافظے پر اعتماد کر کے سب لفافے پہلے بند کر دیئے۔ بعد میں ایڈریس لکھنے میں غلطی ہو گئی۔ میں نے حیدری صاحب کی خدمت میں لکھ دیا ہے کہ وہ خط واپس ارسال کر دیں۔ واپس آنے پر ارسالِ خدمت کر دوں گا۔ والسّلام۔

آپ کا خادم

محمد اقبال

۱۳ر مارچ ۱۹۱۶ء

۴

لاہور ، ۲۶ر مارچ ۱۹۱۶ء

مخدومی خان صاحب ! السّلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ کئی دنوں سے آیا رکھا ہے۔ میں عدیم الفرصت تھا، اس واسطے جواب عرض نہ کر سکا۔

الحمد للہ کہ جالندھر کے کُتب خانہ کے لیے اجازت ہو گئی۔ میں فرصت کے دنوں سے جناب کو مطلع کر دوں گا۔

اُمید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔

آپ کا خادم
محمد اقبال ، لاہور

# ۵

لاہور ، ۸ رجولائی ۱۹۱۶ء

مخدومی ! السّلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ سراج الدین صاحب کے دونوں مضامین جو آپ کی نظر سے گزرے بہت اچھے ہیں۔ اُن کا تیسرا مضمون خودی اور رہبانیت پر حال میں شائع ہُوا ہے اسے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ معلوم ہوتا ہے میرا مضمون " علمِ ظاہر و علمِ باطن " جو وکیل میں شائع ہُوا ہے، آپ کی نظر سے نہیں گزرا۔ اسے بھی پڑھئے۔ ایک اور مضمون لکھ رہا ہوں جو بالکل نرالا ہے۔ غالباً آج تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا۔ جن علماء نے تصوّفِ وجودیہ کی مخالفت کی ہے ان کی توجّہ کبھی اس طرف نہیں ہُوئی۔ بہرحال آپ دیکھیں گے تو داد دیں گے۔

ہاں کتابیں نہیں ملتیں، بڑی دِقّت ہے۔ شیخ روز بہان بقلی کی شرح شطحیات ایک عجیب و غریب کتاب ہے۔ اس میں صوفیاء وجودیہ نے جو خلافِ شرع باتیں کہی ہیں، ان کی شرح ہے۔ اگر یہ رسالہ ہاتھ آجائے تو تصوّف کے بہت سے مسائل پر اس سے روشنی پڑے گی مگر باوجود تلاش کے نہیں دستیاب ہو سکا۔ سُنا ہے کہ لاہر پور (اودھ) میں ایک سجادہ ہے۔ یہاں کوئی بزرگ قلندر صاحب گزرے ہیں جنھوں نے محی الدین ابنِ عربی کی فتوحات کی تردید میں ایک مبسوط کتاب فارسی زبان میں لکھی ہے جو اب تک ان کے جانشینوں کے پاس محفوظ ہے۔ میں نے موجودہ سجادہ نشین کی خدمت میں خط لکھوایا ہے دیکھیں کیا جواب ملتا ہے۔

کپور تھلے اور جالندھر انشاء اللہ ضرور آوٴں گا۔ عجب نہیں کہ ان تعطیلوں میں موقع

مل جائے۔ چند روز کے لیئے شملہ جاؤں گا، وہاں سے دہلی ہوتے ہوئے جالندھر اور کپورتھلہ کی سیر کا موقع مل سکتا ہے۔ بہر حال یہ قصد ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرنے کی توفیق عطا کرے۔ لاہور میں بارش مطلق نہیں ہوئی۔ لوگ تڑپ رہے ہیں۔ تین روزے رکھے تھے کہ درد گردہ کے دورے کی ابتدا محسوس ہوئی۔ دو روز سے روزہ سے بھی محروم ہوں۔ والسلام

اُمید کہ آپ کا مزاجِ گرامی بخیر ہو گا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال، لاہور

## ۶

لاہور۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۱۶ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ میرا ارادہ تو شملہ جانے کا تھا۔ نواب ذوالفقار علی خاں صاحب سے وعدہ تھا اور اُن کے خطوط اب تک بھی آرہے ہیں مگر بھائی صاحب نے مجھ سے وعدہ لے لیا کہ اگست کا سارا مہینہ سیالکوٹ میں قیام کروں۔ سو میں بمع اہل (و) عیال کے ۲۹ اگست تک وہاں رہا۔ وہاں سے ستمبر شروع ہونے سے پہلے اس واسطے آگیا کہ اگر مولوی احمد دین وکیل ہمراہ ہو گئے تو ستمبر کا مہینہ کشمیر میں بسر کروں گا مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے کشمیر چلے گئے ہیں۔ کل منشی سراج الدین میر منشی ریذیڈنسی کا خط آیا ہے کہ چند روز کے لیے چلے آؤ اور نیز یہ کہ چودھری شہاب الدین کو تار دیا ہے کہ وہ تم کو ہمراہ لے کر جلد آئیں۔ چودھری صاحب غالباً ڈلہوزی میں ہیں۔ اُن کے انتظار میں ہوں کہ وہ آئیں تو اُن کے ہمراہ چند روز وہیں بسر کر آؤں۔ انشاء اللہ جالندھر ضرور حاضر ہوں گا۔ میاں مبارک علی صاحب کا متبنّیٰ میرا مؤکل رہ چکا ہے۔ اگر کتابیں اس کے پاس باقی ہوئیں تو ان کا دیکھنا کچھ مشکل نہیں اور اگر مشکل بھی ہو تو آپ کی موجودگی میں کونسی مشکل ہے جو حل نہ ہو۔

افسوس ہے کہ اگست کے مہینہ میں تصوف کی تاریخ پر کچھ نہیں لکھ سکا۔ البتہ مثنوی کے دُوسرے حصّے کے بہت سے اشعار لکھے گئے، یعنی آدھی مثنوی لکھی گئی۔ کیا عجب کہ باقی بھی جلد تمام ہو جائے اور دوسرے حصّے کی اشاعت بھی جلد ختم ہو جائے۔ پہلے حصّے کی دوسری ایڈیشن کا کاغذ کل خرید لیا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مغربی ہند کے ملاحدہ کی رد اور اصلاح کے لیے مامور کیا تھا اور یہ کام اُنھوں نے نہایت خوبی سے کیا ہے۔ اُن کی کتاب تفضیلت الشیخین بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے آخری حصّے میں تصوف پر انھوں نے خوب بحث کی ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ کی نسبت یہ فیصلہ کرنا کہ وہ ہمہ اوست یا ہمہ از وست کے قائل تھے نہایت مشکل ہے۔ وہ فلسفی تھے اور دونوں طرفوں کی مشکلات کو خوب سمجھتے تھے۔ حال کے حکماء میں جرمنی کا مشہور فلسفی لاٹسا بالکل دُوسرا غزالی ہے، یعنی خدا کے سمیع و بصیر ہستی ہونے کا بھی قائل ہے اور ساتھ اس کے اس بات کا بھی قائل ہے کہ وہ ہستی ہر شے کی عین ہے۔ میرے نزدیک منطقی اعتبار سے کوئی آدمی ایک ہی وقت میں ان دونوں شقوں کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اسی واسطے لاٹسا کا فلسفہ یُورپ میں مقبول نہ ہوا۔ گو اس کی تعلیم اس قسم کی تھی کہ وحدت الشہود اور وحدت الوجود دونوں کی طرف میلان رکھنے والی طبائع کے لیے موزوں تھا۔ مگر میرا مذہب تو یہ ہے کہ یہ سارے مباحث مذہب کا مفہوم غلط سمجھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ مذہب کا مقصود عمل ہے نہ (کہ) انسان کے عقلی اور دماغی تقاضاؤں کو پُورا کرنا۔ اسی واسطے قرآن شریف کہتا ہے۔ و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ اگر مذہب کا مقصود عقلی تقاضوں کو پُورا کرنا ہو بھی (جیسا کہ ہنود کے رشیوں اور فلسفیوں نے خیال کیا ہے) تو زمانۂ حال کی خصوصیات کے اعتبار سے اس کو نظر انداز کرنا چاہیئے۔ اس وقت وہی قوم محفوظ رہے گی جو اپنی عملی روایات پر قائم رہ سکے گی۔

"اس دَور میں سب مِٹ جائیں گے، ہاں باقی وہ رہ جائے گا
جو اپنی راہ پہ قائم ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے"

خادم محمد اقبال

## ۷

لاہور، ۷ر فروری ۱۹۱۷ء

مخدومی! السلام علیکم

افسوس کہ مثنوی کا دُوسرا حصّہ ابھی تیار نہیں ہو سکا۔ کل کچھ فرصت مل گئی تھی۔ فقہ کا وہ مسئلہ نظم کیا جس کی رُو سے مسلمانوں پر اس دُشمن پر حملہ کرنا حرام ہے جو صلح کی اُمید میں اپنے حصار وغیرہ گرا دے۔ اس مسئلے کا ذکر کر کے اس کی حقیقت اور فلسفہ لکھا ہے کہ شرع نے کیوں ایسا حکم دیا ہے۔ عجیب عجیب باتیں ذہن میں آتی ہیں، مگر قلب کو یکسوئی میسّر نہیں۔

آپ نے سفارش مثنوی کی۔ خوب کیا۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو یہی کرتا۔

مولوی اشرف علی جہاں تک مجھے معلوم ہے وحدت الوجود کے مسئلے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے ان کی کتاب عمدہ ہو گی۔

انشاء اللہ کپور تھلے اور جالندھر جانے کے لیے وقت نکالوں گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسّلام۔

آپ کا خادم

محمد اقبال، لاہور

## ۸

لاہور، ۲ر مارچ ۱۹۱۷ء

مخدومی! السلام علیکم۔

آپ کا نوازش نامہ ملا، جسے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ الحمد للہ کہ آپ کو وہ غزل پسند ہوئی۔ بہت عرصہ ہوا لکھی گئی تھی۔ معلوم نہیں کس نے اسے مخزن میں اشاعت کے لیے بھیج دیا۔

میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں۔ مشاغلِ ضروری سے فارغ ہُوا تو قرآن یا عالمِ تخیّل میں قرونِ اُولیٰ کی سیر۔ مگر خیال کیجیے جس زمانے کا تخیّل اس قدر حسین و جمیل و رُوح افزا ہے، وہ زمانہ خود کیسا ہو گا!

خوشا وہ عہد کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ روز کہ دیدار عام تھا اس کا

مثنوی کا دوسرا حصہ جس کا نام "رموزِ بیخودی" ہوگا، اِنشاء اللہ اس سال کے ختم ہونے سے پیشتر ختم ہو جائے گا۔ آج کل لاہور میں ہوں اور مولینا گرامی جالندھری یہاں تشریف فرما ہیں اور میرے ہاں قیام پذیر ہیں۔ خوب شعر بازی رہتی ہے، کل ہوشیار پور واپس جائیں گے۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

## ۹

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا والانامہ مل گیا ہے۔ جو شعر میں نے کسی پہلے خط میں لکھا تھا وہ ایک نظم کا، جو کئی سال ہوئے میں نے عشق بلالؓ پر لکھی تھی، آخری شعر ہے۔ باقی اشعار ذہن میں محفوظ نہیں رہے۔ مخزن کے پُرانے نمبر اگر آپ کے پاس ہیں تو ان میں مل جائے گی، میں بھی تلاش کروں گا۔ مل گئی تو حاضرِ خدمت کروں گا۔

گرامی صاحب سُنا ہے جالندھر آنے والے ہیں۔ مجھ کو بھی طلب کیا ہے مگر میں کئی دنوں سے بوجہ دورہ دردِ گردہ کے مضمحل ہوں، اس واسطے معذور ہوں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آج کل موسم تبدیل ہو رہا ہے۔ ہر بات میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ والسّلام

مخلص
محمد اقبال

۱۲ر مارچ ۱۹۱۷ء

## ۱۰

لاہور، ۲۷ر جون ۱۹۱۷ء

مخدومی! السّلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا، جس کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ الحمدللہ کہ آپ بخیریت ہیں اور مولوی گرامی صاحب بھی آلام و افکار سے آزاد ہیں۔ عرصہ ہوا میں نے انھیں خط لکھا تھا مگر ان کے لیے خط کا جواب دینا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا روس کا موجودہ حالت میں جرمنی سے لڑ سکنا۔ بہرحال یہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ جالندھر آنے کا قصد رکھتے ہیں۔ ان کی صحبت سے زیادہ پُرلطف چیز اور کون سی ہے۔ اگر ممکن ہو سکتا تو میں یہ ایام بھی ہوشیارپور میں اُن کی صحبت میں گذارتا۔ میری نسبت وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں محبت کا مبالغہ بھی شامل ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ محبت محبوب کا صحیح اندازہ کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔

مگر مولوی گرامی صاحب کا وعدہ وہی ہے جس کی نسبت مرزا غالب مرحوم عرصہ ہوا کہہ گئے ہیں:

تِرے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا (الخ)

مجھے یہ اندیشہ (ہے) کہ اگر میں ان سے ملنے کے لیے جالندھر آیا تو پھر وہ لاہور نہ آئیں گے خیر یہ باتیں بعد میں سوچنے کی ہیں۔ پہلے یہ دیکھنا ہے کہ جالندھر آتے بھی ہیں یا نہیں۔

واقعی آم درد گردہ کے مریض کے لیے اچھا ہے اور مجھ کو بھی اس سے بہت محبت ہے کھانے کی چیزوں میں صرف یہی ایک چیز ہے جس کے لیے میرے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ باقی چیزوں کے لیے خواہش نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ روزمرّہ کا کھانا بھی عادت کے طور پر کھاتا ہوں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

ہاں آموں پر ایک لطیفہ یاد آگیا۔ گذشتہ سال مولینا اکبر نے مجھے لنگڑا آم بھیجا تھا میں نے پارسل کی رسید اس طرح لکھی:

اثر یہ تیرے اعجازِ مسیحائی کا ہے اکبرؔ!\
الٰہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک پہنچا!

رموزِ بیخودی کو میں اپنے خیال میں ختم کر چکا تھا مگر پرسوں معلوم ہوا کہ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ترتیب مضامین کرتے وقت یہ بات ذہن میں آئی کہ ابھی دو تین ضروری مضامین باقی ہیں یعنی قرآن اور بیت الحرام کا مفہوم و مقصود حیاتِ ملیّہ اسلامیہ میں کیا ہے۔ ان مضامین کے لکھ چکنے کے بعد اس حصّہ مثنوی کو ختم سمجھنا چاہیئے۔ مگر ایسے ایسے مطالب ذہن میں آتے ہیں کہ خود مسلمانوں کے لیے موجبِ حیرت و مسرت ہوں گے کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے ملّتِ اسلامیہ کا فلسفہ اس صورت میں اس سے پہلے کبھی اسلامی جماعت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔ نئے سکول کے مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ یورپ جس قومیت پر ناز کرتا ہے وہ محض بودے اور سست تاروں کا بنا ہوا ایک ضعیف چیتھڑا ہے۔ قومیت کے اصولِ حقہ صرف اسلام نے ہی بتائے ہیں جن کی پختگی اور پائداری مرورِ ایام و اعصار سے متاثر نہیں ہو سکتی۔ والسلام

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

خاکسار

محمد اقبال

## ۱۱

لاہور، ۴ نومبر ۱۹۱۷ء

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

گرامی صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ محرم میں تشریف لائیں گے مگر الکوفی لا یوفی۔ اب معلوم نہیں کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ عرصہ سے ان کا خط بھی نہیں آیا۔

پنڈت جگجورام صاحب کی رائے سے کوئی تعجب مجھے نہیں ہوا۔ ہر شخص ہر کتاب اپنے خیالات کی روشنی میں پڑھتا ہے اور اس کے مضامین سے وہی نتائج نکالتا ہے جن کی اس کی دماغی تربیت مقتضی ہوتی ہے۔ سیاسیات مسلمانوں میں کوئی علیحدہ شے نہیں بلکہ خالص مذہبی نکتہ خیال سے کچھ شے ہی نہیں اور اگر کچھ ہے تو مذہب کی لونڈی ہے۔ کعبہ آباد است الخ والا مصرع اس

وقت لکھا گیا تھا جب موجودہ حالات کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

دوسرا حصہ انشاء اللہ اس سال سے پہلے ختم ہو جائے گا۔ صرف چند اشعار کی کسر باقی ہے اگر آج وہ اشعار لکھے جائیں تو ایک ہفتے کے اندر نقل کر کے کتاب مطبع میں دی جا سکتی ہے۔ مگر میں انتظار میں ہوں کہ وہ اشعار آئیں تو ان کو مثنوی میں داخل کر دوں۔ دوسرے حصے کے مضامین سے پہلے حصہ پر کافی روشنی پڑے گی اور بہت سی تشریحات جو پہلے حصہ کے اشعار کی کی جا رہی ہے۔ خود بخود غلط ہو جائے گی۔ اسلامی **Nationalism.** کی حقیقت اس سے واضح ہو گی اور یہ کہنے میں مبالغہ یا خود ستائی نہیں کہ اس رنگ کی کوئی نظم یا نثر اسلامی لٹریچر میں آج تک نہیں لکھی گئی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

گرامی صاحب تو امام غائب ہو گئے۔ معلوم نہیں اس غیبتِ صغریٰ کا زمانہ کب ختم ہو گا۔

خاکسار

محمد اقبال

## ۱۲

لاہور، ۲۷ نومبر، ۱۹۱۷ء

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

مثنوی ختم ہو گئی۔ اسے نقل کر رہا ہوں۔ چند روز کے بعد پریس میں دے دی جائے گی۔ مولوی گرامی نے مجھ سے کہا تھا کہ ان کی تقریظ کے بغیر مثنوی شائع نہ ہو۔ مہربانی کر کے ان کی خدمت میں عرض کریں کہ وہ تقریظ کے اشعار ارسال فرمائیں۔ مجھے ان کا پتہ معلوم نہیں ورنہ آپ کو پیغام بری کی زحمت نہ دیتا اور ان کو براہِ راست خط لکھتا۔

پندرہ روز کے اندر اندر تقریظ مل جانی چاہیے۔ والسلام

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

خاکسار

محمد اقبال

## ۱۳

لاہور، ۲۷ر دسمبر ۱۹۱۷ء

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا تھا۔ کیا کہئے دل کو تو آپ سے اُنس ہے مگر جالندھر لاہور سے دُور ہے تاہم تعطیلوں کی وجہ سے ضرور حاضر ہوتا مگر دقت یہ آپڑی کہ میرے والدِ مکرم پرسوں لاہور تشریف لائے ہیں۔ کل شیخ عمر بخش سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی معرفت بھی یہی پیغام ارسال کر چکا ہوں۔ گاؤں کی زندگی واقعی قابلِ رشک ہے اور اگر جالندھر کے افغانوں میں کچھ اپنے قومی و ملّی خصائص ابھی تک محفوظ ہیں تو اسی زندگی کی وجہ سے، مگر گنّے کی کھیر سے یارانِ ہم دم کی صحبت شیریں تر ہے اور اس میں صرف اس قدر نقص ہے کہ ہر وقت میسّر نہیں آتی۔

مثنوی کل سنسر کے محکمے سے واپس آگئی ہے۔ انشاء اللہ آج کاتب کے حوالے کی جائے گی۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ گرامی صاحب سے ملاقات ہو تو سلام کہہ دیجیے گا۔ ان کا کوئی خط مجھے نہیں ملا۔ آپ کو تو معلوم ہو گا۔ وہ بڑے مقدمہ باز ہو گئے ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ کسی دیوانی مقدمے میں انھوں نے جوابِ دعویٰ نظم میں دیا ہے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

## ۱۴

۹ر مارچ ۱۹۱۸ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

فقیر صاحب کا ذکر شیخ صاحب سے سُنا تھا۔ مجھے بھی اُن کے دیکھنے کا اشتیاق ہے مولوی گرامی صاحب کی بیوی کا خط دربارہ گواہی مجھے آیا تھا وہ مجھ سے قبضہ مکان کی شہادت دلوانا چاہتے ہیں مگر میری شہادت ان کے لئے کچھ مُفید نہیں ہو سکتی۔ میں نے ان کو مفصل لکھ دیا ہے معلوم نہیں میرا خط اُن کو ملا یا نہ ملا۔

چند روز میں ایم۔اے کا زبانی امتحان لینے کے لیے الٰہ آباد جانے والا ہوں اور یہ ممتحنی میں نے محض اس واسطے قبول کر لی کہ مولینا اکبر کی زیارت کا بہانہ ہو جائے گا۔ خواجہ دل محمد صاحب والا مضمون میری نظر سے نہیں گزرا اور نہ ان کی نظم دیکھنے میں آئی۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

## ۱۵

مکرمی! السلام علیکم

میں الٰہ آباد جانے والا تھا مگر مولینا اکبر کے خط سے معلوم ہوا کہ وہاں پلیگ زوروں پر ہے۔ والدِ مکرم نے جو چند روز ہوئے یہاں تھے یہ خط دیکھ کر مجھے الٰہ آباد جانے سے روک دیا۔ دہلی جانے کا قصد تھا مگر وہاں بھی نہ گیا۔ نواب صاحب جاتی دفعہ مجھ سے کہہ گئے تھے کہ ۲۲ مارچ کو واپس لاہور آ جائیں گے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ کسی اور جگہ جانے والے نہیں ہیں۔ ۲۸ مارچ کو ان کے ایک مقدمہ کی تاریخ لدھیانہ میں ہے۔ کمیشن مقرر کردہ عدالت نے خود ان کو بیان کے لیے طلب کیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس تاریخ کو لدھیانے جائیں۔ باقی حالات مجھے معلوم نہیں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ میں خدا کے فضل و کرم سے بخیریت ہوں۔ والسلام

مخلص

۲۰ مارچ ۱۹۱۸ء محمد اقبال، لاہور

## ۱۶

مخدومی!

آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ کچھ مضائقہ نہیں اگر شیخ عُمر بخش صاحب کبوتر نہیں لائے۔ میں چاہتا ہوں کہ کبوتر یہاں اکتوبر میں آئیں اس سے پہلے

نہ آئیں۔ میں چند روز تک سیالکوٹ جانے والا ہوں۔ وہاں کچھ عرصہ قیام کروں گا۔ ستمبر کے آخر میں شاید یہاں آنا ہوگا۔ امیر الدین خاں کو بھی لکھنے کی ضرورت نہیں۔ باقی جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کے متعلق کیا عرض کروں۔ آپ کو میری اُفتادِ طبیعت سے بخوبی آگاہی ہے۔

گرامی صاحب نے شاید ملک الموت کو کوئی رُباعی کہہ کر ٹال دیا ہے اور کیا تعجب کہ ہجو کہنے کی دھمکی دے دی ہو۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

۲۶ر جولائی ۱۹۱۸ء

محمد اقبال

## ۱۷

لاہور، ۱۲ر اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدوم و مکرم جناب خان صاحب! السلام علیکم

میں ۳۰ر ستمبر کو لاہور واپس آگیا تھا اور اب کہیں جانے کا قصد نہیں۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیریت ہیں۔ گرامی صاحب سُنا ہے لاہور آنے والے ہیں۔ میں نے آج ایک عریضہ اُن کی خدمت میں لکھا ہے۔

ڈاکٹر عبد الرحمٰن بھوپالی نے ایک مضمون مثنویوں پر انگریزی میں لکھا ہے جو رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ میں شائع ہوا ہے۔ اگر آپ کی نظر سے نہ گزرا ہو تو لکھیے کہ اس کی ایک کاپی بھیج دوں۔ اس کی کاپیاں ایسٹ اینڈ ویسٹ والوں نے علیحدہ بھی شائع کی ہیں اور صاحبِ مضمون نے چند کاپیاں مجھے بھیج دی تھیں۔

کبوتروں کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔ بخار کا اب تک تو حملہ مجھ پر نہیں ہوا۔ کونین کا استعمال میں نے کبھی نہیں کیا سوائے حالتِ بخار کے اور وہ بھی نہایت کراہت کے ساتھ۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

## ۱۸

مخدومی! السّلام علیکم

آپ کا والانامہ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ آپ کے ہاں تا حال خیریت ہے۔ یہاں بھی خُدا کے فضل و کرم سے اِس وقت تک خیریت ہے۔ لاہور میں وبا کی شدّت بہت ہے یہاں تک کہ گورکن بھی میسّر نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ سب جگہ اپنا فضل کرے۔ اس بیماری کے جراثیم تمام دُنیا کی فضا میں پائے جاتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ اطبّا اس کی تشخیص سے عاری ہیں۔ دوائی سے اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا کہ دوائی میسّر نہیں ہوتی۔ دارچینی کا استعمال کہتے ہیں مفید ہے۔ قہوہ دو چار دفعہ دن میں پینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم فرمائے والسّلام۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

لاہور، ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۸ء

## ۱۹

لاہور، ۱۲ر نومبر ۱۹۱۸ء

مخدومی خان صاحب! السّلام علیکم

کبوتروں کے دو جوڑے مل گئے اور آج آپ کا والانامہ بھی مل گیا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ انشاءاللہ ان کو حفاظت سے رکھا جائے گا۔ اور اگر کبھی اپنے سے جُدا کرنے کی ضرورت ہُوئی تو آپ کی خدمت میں انھیں واپس بھیج دیا جائے گا۔ اس عطیے کے لیے آپ کا شکریہ ہے اور مزید شکریہ اس وقت ادا کروں گا جب ان کے جوہر مجھ پر آشکار ہو جائیں گے۔

گرامی صاحب بیماری کے خوف سے سُنا ہے خانہ نشین ہیں۔ ان کی جگہ ان کا خط آیا تھا۔ ان کے خود آنے کی یہاں کسی کو توقع نہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کا فضل و کرم ہے۔ لاہور میں اب بیماری کا زور نہیں رہا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ مرض دُور

ہو گیا۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۱۹۱۸ء میں انفلوئنزا کی وبا پھیلی تھی اور مرگِ انبوہ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔)

## ۲۰

لاہور، ۲۸ جنوری ۱۹۱۹ء

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم۔

والانامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مارچ میں آپ لاہور تشریف لادیں تو مولوی گرامی صاحب کو بھی ہمراہ لادیں۔ وہ ایک مدت سے وعدہ کر رہے ہیں مگر کبھی ایفا نہیں کرتے۔ کیا خوب! آپ نے سُنا کہ اقبال نے وکالت چھوڑ دی شاید یہ بھی کسی نے کہا ہو کہ کسی جنگل میں کٹیا بنالی ہے اور ہاؤ ہُو کے نعرے بلند کر رہا ہے! بہر حال روزی کے لیے سب ڈھنگ ہیں، بیرسٹری چھوڑے گا تو کوئی اور ڈھنگ اختیار کرنا ہو گا۔ کسی نے خُوب گپ اُڑائی ہے۔ معلوم نہیں اس کا مقصد اس خرافات سے کیا تھا؟

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

## ۲۱

لاہور، ۵ فروری ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

الحمد للہ کہ گرامی صاحب بستی میں تشریف لائے اور آپ کی آرزو پوری ہوئی۔ کاش

ہیں بھی وہاں موجود ہوتا اور ان کے تازہ افکار سے بہرہ اندوز ہو کر لذّتِ روحانی حاصل کرتا۔
آخر فروری یا ابتدائے مارچ میں دہلی جانے کا قصد ہے۔ ذوالفقار علی خاں صاحب سے اس کا وعدہ ہو چکا ہے۔ لاہور سے دہلی جاتے ہوئے یا وہاں سے واپس آتے ہوئے انشاءاللہ جالندھر ٹھہروں گا اور آپ سے اور گرامی صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل کروں گا۔ ہاں گرامی صاحب نے مصرع خوب لگایا۔ مسلمان کے پاس سوائے خدا کے اور کیا ہے انشاءاللہ اس کا حال عنقریب روشن ہو جائے گا۔ آپ نے سُنا ہے: الیس اللہ بکاف عبدہٗ۔ (کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟) زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔
مولینا گرامی کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ یہ شعر بھی ان کی خدمت میں پیش کیجیے اور میری طرف سے عرض کیجیے کہ بنظرِ اصلاح ملاحظہ فرمائیں:

ضبط از دلِ من برد و فرو ریخت بجانم
آں نکتہ کہ با مومن و کافر نتواں گفت

مخلص

محمد اقبال، لاہور

## ۲۲

لاہور، ۱۱ر فروری ۱۹۱۹ء

مخدومی جناب خان صاحب! السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔
والا نامہ مل گیا ہے۔ گرامی صاحب، اُمید ہے، بخیریت ہوں گے۔ آپ کے دوسرے مصرع میں ایک بہت بڑے شاعر سے توارد ہو گیا۔ ان کا شعر ہے:

آں چیز کہ در سینہ نہان است نہ وعظ است
بر دار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

مگر مصرع جو قابلِ مصرع لگانے کے ہے یہ ہے:

ایں ہنرِ خلیل است باآذر نتواں گفت

گرامی صاحب کی خدمت میں پیش کیجئے۔ یہ مصرع کارڈ ہذا لکھتے ہوئے خیال میں آیا، مگر دوسرے مصرع کے لیے فکر کرنے کی فرصت نہیں۔ فرصت کے اوقات میں انشاء اللہ فکر کروں گا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام۔ گرامی صاحب کی خدمت میں سلام۔

مخلص

محمد اقبال

## ۲۳

لاہور، ۱۴ر فروری ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا تھا، اُمید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گذرا ہوگا۔

مولٰنا گرامی کے اشعار جواہر ریزے ہیں! سبحان اللہ! ان کی خدمت میں عرض کیجئے کہ برائے خدا غزل پوری کریں۔ آپ کے اشعار سے مجھے تعجب ہوا، معلوم نہ تھا کہ آپ چھپے رستم ہیں۔ کیوں نہ ہو، آخر مولانا گرامی کے ہم وطن ہیں۔

وافر اور ظاہر قوافی اس غزل میں درست نہیں۔ آپ نے شاید کافر بکسر فا کا خیال کیا ہوگا، مگر غزل میں کافر بفتح فا ہے اور یہ لفظ بفتح فا بھی اساتذہ نے لکھا ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ کیا اچھا ہو۔ مولٰنا گرامی ہفتہ دو ہفتہ کے لیے لاہور آجائیں اور یہاں سے اکٹھے دہلی چلیں۔ کل حکیم محمد اجمل خاں صاحب بھی آنے والے ہیں۔ ذوالفقار علی خاں صاحب کے ہاں ان کا قیام ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

## ۲۴

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ دہلی گیا تھا، مگر جو دن جالندھر

کے لیے رکھا تھا وہ وہیں دہلی نے لے لیا۔ حکیم صاحب نے باصرار ٹھہرا لیا۔ اس واسطے آپ کی خدمت میں نہ ٹھہر سکا کہ ۷ مارچ کو کچہری میں کام تھا۔ انشاءاللہ آپ سے جلد ملاقات ہوگی۔ گرامی کی صحبت نیاز کو نظامی بنا ڈالے گی۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ گرامی صاحب کی تپ کوئی نئی بات نہیں۔ شاعروں کو قدرتی تپ ہوتی ہے۔ والسّلام

۱۳ مارچ ۱۹۱۹ء

محمد اقبال۔ لاہور

## ۲۵

۱۲ مارچ ۱۹۱۹ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

والانامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ الحمد للہ کہ مولینا گرامی اور آپ مع الخیر ہیں۔

دونوں شعروں کا مضمون لاجواب ہے مگر بندش کھٹکتی ہے۔ پہلے شعر میں "نازنشیں" کھٹکتا ہے اور "ایں جا" حشو معلوم ہوتا ہے۔ اگر پہلا مصرع یوں ہوتا "قیس می گفت کہ از جام بلوریں رستم" تو غالباً "اینجا" کی حشویت کسی قدر کم ہو جاتی، گو مطلق دور نہ ہوتی۔ دوسرے شعر کے دوسرے مصرع میں بھی "اینجا" حشو معلوم ہوتا ہے، بالخصوص جبکہ "بر درِ مے کدہ" کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ ان پر نظرِ ثانی فرمایئے۔ میں نے جام اور خرام بھی لکھے تھے۔

نشہ از حالِ بگیریم و گذشتیم ز قال
نکتۂ فلسفہ دُردِ تہِ جام است اینجا

اے کہ تو پاسِ غلط کردۂ خود می داری
آنچہ پیشِ تو سکون است خرام است اینجا

اور "لبِ بام" اس طرح لکھا تھا:

ما دریں رہ نفسِ دہر بہ انداختہ ایم
آفتابِ سحرِ او لبِ بام است اینجا

جب دو آدمیوں کا دوڑنے میں مقابلہ ہو اور ایک تھک کر رہ جائے اور اُس کا دم پھُول جائے تو فارسی میں کہتے ہیں "نفس او برانداختہ است"، جیسے پنجابی میں کہتے ہیں "دموں کڈھ دینا"۔ مقصود یہ ہے کہ ہم اس قدر تیز رفتار ہیں کہ روزگار کو بھی ہم نے نفس برانداختہ کر رکھا ہے، یہاں تک کہ اس کی صبح کا آفتاب ہمارے ہاں لبِ بام ہے۔ اس نظم کا عنوان تھا "دُنیائے عمل" اور اسی مطلب کے یہ سب اشعار تھے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ یہ خُدا کا فضل ہے کہ جالندھر کے افاغنہ میں ذوقِ سخن باقی ہے اور یہ قوم ابھی اپنے بزرگوں کی روایات کو زندہ رکھتی ہے۔ افسوس کہ میں پشتو نہیں جانتا، ورنہ سرحد کی مارشل شاعری کو اُردو یا فارسی لباس پہنانے کی کوشش کرتا۔

مولینا گرامی کی خدمت میں عرض کیجیے کہ اگر لاہور تشریف لانے کا قصد ہو تو ابھی آنا چاہیے، ورنہ پھر گرمی بڑھ جائے گی اور لُطفِ صُحبت خاک نہ رہے گا۔ کل نواب ذوالفقار علی خاں صاحب بھی دہلی سے آنے والے ہیں، وہ مولانا گرامی سے ملنے کے بڑے آرزومند ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ شیخ صاحب کو آپ کا پیغام دے دوں گا۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

## ۲۶

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے، جس کے لیے شکر گزار ہوں۔ خدا کے فضل و کرم سے بالکل تندرست ہوں اور دست بدعا ہوں کہ آپ مع جُملہ اقربا و احباب کے تندرست ہوں۔ آپ نے اخبار میں دیکھا ہوگا کہ لاہور میں مارشل لا کا اجرا کر دیا گیا ہے۔ حکام اس بات پر مجبور ہوتے ہیں۔ مگر امن پسند لوگوں کے لیے اس میں کوئی اندیشہ نہیں۔ اُمید کہ مولینا گرامی مع الخیر ہوں گے۔ اُن کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۲۰ر اپریل ۱۹۱۹ء

## ۲۷

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

مجھے تو یقین ہے اور اس کا اظہار بھی کسی پہلے خط میں کر چکا ہوں کہ مولانا گرامی آپ کو شاعر بنا چھوڑیں گے۔ یہ غزل انھیں ضرور دکھا دیجیے:

شیخ در عہدِ جوانی بہ گل و مل می زیست
وعظ فرما شدہ آں روز کہ از کار شدہ

خوب شعر ہے۔ تھوڑی مشق کے بعد معمولی نقص جو اب پائے جاتے ہیں دُور ہو جائیں گے۔ کیا مولوی گرامی لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں یا نہیں؟ معلوم ہوتا ہے خوف زدہ ہو گئے، مگر خوف کی کوئی بات نہیں۔ کل ایک شعر لکھا تھا، مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے:

برق را ایں بجگر می زند، آں رام کند
عشق از عقلِ فسوں پیشہ جگر دار تر است

مخلص

۱۹ مئی ۱۹۱۹ء

محمد اقبال، لاہور

## ۲۸

لاہور، ۳۰ اگست ۱۹۱۹ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

کئی روز ہوئے، آپ کا والا نامہ ملا تھا، مگر میں اُن دنوں پیچش میں مبتلا تھا، جواب نہ لکھ سکا۔ آج میز پر تلاش کرتا ہوں تو وہ خط ندارد ہے۔ تعجب ہے کہ آپ غزل تو گرامی جیسے کی صحبت میں لکھیں، اور اصلاح کے لیے مجھ سے ارشاد ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اصفہان میں رہنا اور سرمہ ہندوستان سے خرید کرنا۔ آپ نیاز ہیں مگر گرامی صاحب کی صحبت ہے تو تمام جہان کے شعرا سے بے نیاز۔

بے نیازانہ زارباب کرم می گزرم
چوں سیہ چشم کہ بر سرمہ فروشاں گذرد

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ سیالکوٹ جانے کی دو دفعہ کوشش کی، مگر ریزرو گاڑی نہ مل سکی۔ ایک دفعہ ریلوے سٹیشن سے واپس آنا پڑا۔ کہ حکام نے ریزرو گاڑی دینے کا غیر مشروط وعدہ نہ کیا تھا، اتفاق سے اسی شب ملٹری افسر آ گئے مجھے بمع اہل و عیال رات کے ساڑھے بارہ بجے واپس آنا پڑا۔ اس تکلیف کے بعد اب کہیں جانے کی ہمت نہیں رہی۔ گرامی صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔ ان سے کہئے کہ علم کی ہجو میں کوئی شعر فرمایئے، مگر صوفیانہ رنگ میں نہ ہو۔ یعنی العلم حجاب الاکبر کا رنگ نہ ہو۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

## ۲۹

لاہور، ۴ ستمبر ۱۹۱۹ء

مخدومی خان صاحب! السّلام علیکم

سیالکوٹ نہ جا سکنے کی وجہ عرض کر چکا ہوں، اب پھر ارادہ کیا ہے، لیکن اُمید ہے کہ ارادہ کی تکمیل ہو جائے، اس واسطے کہ اکیلا جاؤں گا۔ اہل و عیال ہمراہ نہ ہوں گے۔ میرے برادر بزرگوار پشاور سے دس روز کی رخصت پر آئے ہیں، اُن سے ملنا ہے، ایک ہفتہ یا شاید اس سے بھی (زیادہ) وہاں قیام رہے گا، واپس آ کر فیصلہ کروں گا کہ جالندھر بھی حاضری ہو سکے گی یا نہیں۔ مولینا گرامی کی خدمت میں عرض کیجئے گا کہ پنشن بند کروانے کا اچھا نسخہ ان لوگوں کو سُوجھا۔ انشاء اللہ اب لاہور بُلانے کے لیے بھی یہی نسخہ استعمال کیا جائے گا۔ اُن کو معلوم ہوگا، سیّد علی امام وہاں پہنچ گئے ہیں۔ اگر وہ لاہور نہ آئے تو میں اُنھیں ضرور لکھوں گا کہ گرامی کی پنشن بند کی جائے اور اس کی عرضیوں کا کوئی جواب نہ دیا جائے۔

آپ کی غزلوں میں مجھے دوسری غزل (خفتت است) کا مطلع پسند ہے۔ باقی اشعار

پھر لکھیئے۔

کبوتروں کے دو جوڑے جو آپ نے بکمال عنایت فرمائے تھے۔ اُن میں سے ایک جوڑا بچے نہیں دیتا، انڈے توڑ دیتا ہے اور دوسرے کبوتروں کے نیچے بھی اس کے انڈے رکھے جائیں تو بچے نہیں نکلتے۔ دوسرے جوڑے نے بچے دیئے، مگر ان میں سے دو جو بہت اچھا اُڑتے تھے، شکاری جانوروں کا شکار ہو گئے، ایک باقی ہے، جوڑے میں نر ضعیف اور کمزور ہے۔ اُمید نہیں کہ دیر تک زندہ رہے، بہتر یہ ہے کہ چند بچوں کے جوڑے بھجوایئے، اگر ممکن ہو تو۔ میں نے لدھیانے بھی لکھا ہے اور شاہجہان پور سے بھی انشاء اللہ کبوتر آئیں گے۔

آپ کے صاحبزادے نے ذکر کیا تھا کہ فیروز پور میں کوئی شخص ہے جو کبوتروں کو مستقل رنگ دے سکتا ہے، جو رنگ ان کے بچوں میں منتقل ہو سکتا ہے۔ مہربانی کر کے صاحبزادے سے دریافت کیجیے کہ اُس آدمی کا پتہ کیا ہے۔ کل کرنل سٹیفنس صاحب (سے) کبوتروں کے رنگوں کے متعلق بہت گفتگو ہوئی۔ اُنھوں نے چند کتابوں کے نام لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ گرامی صاحب کی خدمت میں سلام عرض ہو۔

مخلص

محمد اقبال

## ۳۰

مخدومی! السلام علیکم

کارڈ ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ شیخ صاحب سے میں نے آپ کے خط کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ دسمبر کی تعطیلوں سے مُراد تھی۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح نومبر میں یا اگر ممکن نہ ہوا تو دسمبر (میں) آپ کی خدمت میں ہم دونوں حاضر ہوں گے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مولینا گرامی کی خدمت میں آداب عرض ہوں، وہ کب حیدر آباد جانے کا قصد رکھتے ہیں؟ حیدر آباد سے ایک بزرگ نے اپنا دیوان مجھے ارسال کیا ہے۔ اُن کا نام نواب عزیز جنگ (شمس العلماء خان بہادر) ہے۔ گرامی صاحب اُنھیں جانتے ہوں گے۔ والسلام

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۱۴ر اکتوبر ۱۹۱۹ء

## ۳۱

عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما
ایں را نہایتے است نہ آں را نہایتے

مخدومی! السلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے۔ اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا ہوں۔ شعر مندرجہ عنوان نے بے چین کر دیا۔ سبحان اللہ! گرامی کے اس شعر پر ایک لاکھ دفعہ اللہ اکبر پڑھنا چاہیے۔ خواجہ حافظ تو ایک طرف، مجھے یقین ہے۔ فارسی لٹریچر میں اس پائے کا شعر کم نکلے گا۔ انسان کی بے نہایتی کا ثبوت دیا ہے، مگر اس انداز سے کہ موحد کی روح فدا ہو جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک معنی میں انسان بھی بے نہایت ہے اور یہی صداقت مسئلہ وحدت الوجود میں ہے۔ شاعر نے اس حقیقت کو اس خوبی سے نمایاں کیا ہے کہ پڑھنے والے پر اسلامی حقائق کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ یہی ہے وہ کمالِ شاعری جو الہام کے پہلو بہ پہلو ہے۔

"تمہید تیم خند تو مرگ ولایتے"

اگر یہ شعر مطلع ہوتا تو خواجہ کی پوری غزل کا جواب ہوتا اور اگر یہ مصرع خواجہ کو سوجھتا تو وہ اس پر فخر کرتے، البتہ پہلے مصرع میں جو لفظ "آں" آیا ہے، اس کو کسی نہ کسی طرح نکالنا چاہئے۔ (عنوان آں نگاہ) یہ مشورہ مولینا کی خدمت میں پیش کیجیے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اب کہ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ شعر مندرجہ عنوان کے اثر سے دل سوز و گداز سے معمور ہے۔ گرامی صاحب اپنے شعر کا فوری اثر دیکھتے تو نہ صرف میری ولایت کے قائل ہو جاتے، بلکہ اپنی ولایت میں بھی انھیں شک نہ رہتا۔ امید کہ اُن کا روپیہ حیدر آباد سے آ گیا ہوگا۔ لیکن اگر پریشانی اُن سے ایسے اشعار لکھواتی ہے تو اہلِ ذوق کو حضورِ نظام کی خدمت میں ایک عرضداشت اس مضمون کی بھیجنی چاہیئے کہ اُن کا منصب بند کر دیا جائے۔ والسلام

مخلص

۱۴ر اکتوبر ۱۹۱۹ء

محمد اقبال، لاہور

## ۳۲

لاہور، ۱۹ر اکتوبر ۱۹۱۹ء

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ملا، الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ گرامی صاحب کے شعر میں "یک" نہایت ہی موزوں ہے۔ "یک نگاہ" اور "نیم خند" کا مقابلہ نہایت لطیف ہے۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ صاحب الہام اپنی بلاغت سے بھی آگاہ ہو۔ اگر گرامی کے خیال میں وہ معانی نہ تھے تو کچھ مضائقہ نہیں اُن کے الفاظ میں تو موجود ہیں۔

مجھے یہ سُن کر تعجب ہوا کہ آپ میرے خطوط محفوظ رکھتے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا، جب اُنھوں نے میرے بعض خطوط ایک کتاب میں شائع کر دیئے تو مجھے بہت پریشانی ہوئی۔ کیونکہ خطوط ہمیشہ عُجلت میں لکھے جاتے ہیں اور اُن کی اشاعت مقصود نہیں ہوتی۔ عدیم الفرصتی تحریر میں ایک ایسا انداز پیدا کر دیتی ہے جس کو پرائیویٹ خطوط میں معاف کر سکتے ہیں مگر اشاعت اُن کی نظرِ ثانی کے بغیر نہ ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ میں پرائیویٹ خطوط کے طرزِ بیان میں خصوصیّت کے ساتھ لاپرواہ ہوں، اُمید ہے، آپ میرے خطوط کو اشاعت کے خیال سے محفوظ نہ رکھتے ہوں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص
محمد اقبال، لاہور

## ۳۳

لاہور، ۹ر نومبر ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ملا۔ جس کے لئے شکر گزار ہوں۔

مسئلۂ خلافت ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے۔ اس خیال سے کہ اس مسئلے کے متعلق مسلمانوں کو امر بالمعروف کرنا میرا فرض ہے۔ جلسے میں چلا گیا۔ سیکرٹری شپ انجمن حمایتِ اسلام کے لئے

میں کوئی کوشش نہیں کر رہا۔ مسلمان پبلک میرے سپرد یہ کام کرنا چاہتی ہے اور میں نے بعض معززین سے وعدہ کیا ہے کہ اگر عبدالعزیز صاحب مستعفی ہو جائیں تو میں یہ کام اپنے ذمّہ لے لوں گا اس سے زیادہ میری اور کوئی کوشش نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ مقصود جاہ طلبی اور نام و نمود نہیں۔ اگر عبدالعزیز صاحب نے یہ کام چھوڑ دیا تو میں جہاں تک میرے بس میں ہوگا کام کر دوں گا۔

آپ کے دوست کے اشعار نہایت خوب ہیں۔ خاص کر یہ مصرع

"اپنی ہستی کے ہم سوالی ہیں"

"ہو اثر کیا حروف خالی ہیں" بھی پتے کی بات ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں، خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ گرامی صاحب کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔

۲۳ر دسمبر کو دہلی جاؤں گا، وہاں سے ۲۵ یا ۲۶ کو واپس ہونا ہوا ایک آدھ روز کے لیے آپ کی خدمت میں بھی ٹھہر جاؤں گا۔ بشرطیکہ صحت اچھی رہی۔ سردی کا سفر بہ سبب ضعفِ گردہ میرے لئے مُضر ہوتا ہے۔ مولینا اکبر الٰہ آبادی دہلی میں ہیں اور آخر دسمبر تک قیام کریں گے۔ اُن کی زیارت ضروری ہے۔ اس کے لیے فقیر سید نجم الدین صاحب کے لڑکے کی شادی ہے، وہ اصرار کر رہے ہیں۔ اگر مولینا اکبر کی کشش نہ ہوتی تو فقیر صاحب سے معافی مانگ لیتا۔ والسلام

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال

## ۳۴

مخدومی! السلام علیکم

کیا دسمبر کی تعطیلوں کے تمام دن آپ جالندھر ہی تشریف رکھیں گے یا کسی اور جگہ جانے کا بھی قصد ہے، مطلع فرمائیے۔

گرامی صاحب کی خدمت میں آداب عرض۔

مخلص

محمد اقبال

۱۵ر دسمبر، ۱۹۱۹ء

## ۳۵

لاہور، ۱۹ر دسمبر ۱۹۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

تقریر جو اس جلسے میں میں نے کی تھی، وہ ایک ریزولیوشن کی تائید یا شاید تحریک میں تھی، مسئلۂ خلافت پر نہ تھی۔ مذہبی پہلو اس (کا) حرمین کی حفاظت سے تعلق رکھتا ہے۔ اخبارس (مثلاً آفتاب) میں اس کا کچھ حصہ رپورٹ ہوا تھا۔ میرے پاس اس کی کوئی کاپی نہیں، ورنہ مرسلِ خدمت ہوتی۔

۲۳ر کی شام کو یہاں سے چلوں گا، مگر فقیر محمد صاحب کے لڑکے کی برات بھٹنڈہ لائن سے جائے گی، اس واسطے جالندھر سٹیشن پر ملاقات نہ ہو سکے گی۔ واپسی پر انشاء اللہ ایک روز آپ کی خدمت میں قیام رہے گا اور مولوی گرامی صاحب سے بھی ملاقات ہو گی۔ یہ ممکن ہے کہ ۲۵ر دسمبر کی صبح کو جالندھر پہنچ جائیں یا شام کو۔ غرضکہ اس سفر میں انشاء اللہ ایفائے وعدہ کی پوری کوشش ہو گی۔ مولنا اکبر تو غالباً ۲۳ سے پہلے ہی الہ آباد چلے جائیں گے، کیونکہ ان کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ میں نے بھی ان کی زحمت کے خیال سے زور نہیں دیا کہ وہ دہلی میں میری آمد تک قیام فرمائیں۔

۲۵، ۲۶ اور ۲۷ کو آپ جالندھر میں نہ ہوں تو اطلاعی کارڈ لکھ بھیجیں۔ آپ کو سٹیشن پر آنے کی ضرورت نہیں۔ میں سیدھا امیر الدین خاں کی کوٹھی پر پہنچوں گا۔ آپ ان کو مطلع کر دیں کہ وہ ۲۵ یا ۲۶ کو کسی وقت میرا انتظار کریں۔ مولوی گرامی صاحب سے بھی کہہ دیجیے گا۔ والسلام۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

## ۳۶

مخدوم مکرم! السلام علیکم۔

فقیر صاحب کے لڑکے کی برات کے ہمراہ میں نہیں جا سکا۔ اس روز بارش اور سردی اس شدت سے تھی کہ سفر کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ واپسی ٹرین کا رش یقینی۔ انشاء اللہ

پھر کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء

## ۳۷

لاہور، ۱۱ فروری ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

"ہندرا منڈل" کی کسی کو خوب سوجھی! لیکن تعجب ہے کہ وہ "اندر سبھا" کو نظر اندا
کر گئے۔

آپ کے خط سے یہ نہ معلوم ہوا کہ آیا **Princes Assembly** سے مر
وہ "اپر چیمبر" ہے جو انگلستان کے ہوس آف لارڈز کے طرز پر ہندوستان کے نئے قانونِ اسا
کا ایک جزو ہو گا یا کوئی اور مجلس۔ نوابوں اور راجوں کی ایک کانفرنس تو شاید پہلے سے بھی قا
ہے۔ غالباً آپ کی مراد اپر چیمبر سے ہے۔ انگلستان میں آپ کو معلوم ہے کہ دو ہوس ہیں
یعنی ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈز۔ ہندوستان کے دو ہوسوں کو مجلس عمومی اور مجلسِ خص
کہہ سکتے ہیں یا مجلسِ عوام یا مجلسِ خواص۔ بہتر تو یہ ہے کہ انگریزی نام رکھے جائیں، کیونکہ دو
نام ایسا مشکل سے نکل سکے گا جو سب کو پسند ہو۔ ایرانیوں نے پارلیمنٹ کا ترجمہ مجلس
کیا ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ گرامی صاحب کی خدمت میں سلا
عرض کیجیے۔ سنا ہے وہ مجھ پر ناراض ہیں کہ میں نے خلافت کمیٹی سے کیوں استعفا دے
وہ لاہور آئیں تو اُن کو حالات سے آگاہ کروں۔ جس طرح یہ کمیٹی قائم کی گئی اور جو کچھ اس
بعض ممبران کا مقصد تھا، اس کے اعتبار سے تو اس کمیٹی کا وجود میری رائے میں مسلمانوں کے
خطرناک تھا۔

محمد اقبال

## ۳۸

مخدومی! السلام علیکم

میں ایک طویل سفر کے بعد پرسوں لاہور آیا ہوں۔ ایک مقدمہ کے ضمن میں آرہ (صوبہ بہار) گیا ہُوا تھا۔ اب تو کچھ عرصہ تک مزید سفر کی ہمت نہ ہوگی۔ چیمبر آف پرنسز کے واسطے میرے خیال میں ایوانِ خاص موزوں ہے یا ایوانِ اُمرا۔ لیکن متقدم الذکر موزوں تر ہے۔ اگر پہلے چیمبر کو ایوانِ عام کہا جائے۔ ایوانِ اوّل و ثانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر نام یا تو بالکل فارسی ہونا چاہیے یا بالکل ہندی۔ شتر گربہ کچھ نہ ہوگا اور کسی کو پسند بھی نہ ہوگا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ سُنا ہے گرامی صاحب نے رُخصت کی توسیع کرالی ہے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۹ مارچ ۱۹۲۰ء

## ۳۹

لاہور، ۱۸ مارچ ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

دائرۃ المعارف، مصنفہ البستانی، مجلد سابع صفحہ ۴۴۲ - ممن لھم شھرۃً من ولد خالد، ابنہ المھاجر و ابنہٗ عبد الرحمن و حفیدہٗ خالد ابن المھاجر و غیرھم۔ وقال الزبیر ابن بکار قد انقرض ولد خالد ابن ولید ولم یبق منھم احد۔

مقصود مندرجہ بالا عبارت کا یہ ہے کہ خالدؓ کی اولاد سے المھاجر عبد الرحمن اور خالد ابن المھاجر، ان کے پوتے، مشہور ہوئے ہیں۔ الزبیر ابنِ بکار کہتے ہیں کہ سلسلہ اولاد خالد ابن ولید کا منقطع ہوگیا۔ آپ کے سوال کا جواب اس میں آجاتا ہے۔ ابنِ خلکان نہیں دیکھ سکا، لیکن سب سے زیادہ معتبر طبقات ابنِ سعد ہے، مجھے یقین ہے، خالدؓ بن ولید کا ذکر اس میں ضرور ہوگا۔ علی گڑھ کالج کے کُتب خانے میں ہے۔ وہاں کسی کو لکھ کر دریافت کیجئے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

## ۴۰

لاہور، ۱۰ر اپریل، ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم
والا نامہ مل گیا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔
انجمن کے حالات پھر کبھی ملاقات ہوئی تو عرض کروں گا۔ میں خود اس قسم کے جھگڑوں سے علیحدہ رہا اور ہمیشہ سے میرا یہی شیوہ ہے مگر جب عامہ مسلمین مجھ سے کسی خدمت پر اصرار کریں تو انکار نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک میری بساط ہوگی۔ انشاء اللہ کام کیا جائے گا۔ چندہ کے اعتبار سے اس جلسے کو بڑی کامیابی ہوئی۔ حالانکہ کام کرنے کے لیے کوئی وقت نہیں ملا۔ الحمد للہ علی ذالک۔
مولینا گرامی آئے ہوئے تھے۔ اُن کی طبیعت علیل تھی۔ آج صبح تشریف لے گئے ہیں۔ ہاں کبوتروں کے متعلق لکھنا بھول گیا۔ آپ نے دو جوڑہ ارسال فرمائے تھے۔ جن میں سے ایک کا عدم و وجود برابر تھا کیونکہ وہ اپنے انڈے توڑ دیتا تھا۔ اب مہربانی (کرکے) دو جوڑہ یا اگر دو نہیں تو ایک ارسال فرمایئے۔ وہ نسل کبوتروں کی بہت عمدہ ہے، اُس نسل کے ہوں جس سے وہ پہلے کبوتر تھے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔
مولینا گرامی سٹیشن کی راہ سے ہی واپس آگئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دو بجے کی گاڑی میں جاؤں گا۔
والسلام۔

مخلص
محمد اقبال

## ۴۱

لاہور، ۱۶ر اپریل، ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم
آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لیے سپاس گزار ہوں۔ کبوتروں کے واسطے میں نے ماسٹر رحمت اللہ، ڈرائنگ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول، جالندھر کو لکھا ہے۔ اگر وہ عنقریب لاہور آنے والے ہوئے تو اُن کے ہمدست ارسال فرما دیجیے گا اور اگر مجھے معلوم ہوا کہ وہ عنقریب

آنے والے نہیں ہیں تو پھر میں آپ کے بلانے پر اپنا آدمی یہاں سے ارسال کردوں گا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کے کبوتروں کے برابر میرے تجربے میں کوئی نسل کبوتروں کی نہیں آئی۔ میں نے لدھیانہ، ملتان، سیالکوٹ، گجرات، شاہجہان پور سے کبوتر منگوائے، مگر اتنی تعداد اچھی خواص کی کسی نسل میں جمع نہیں، جتنی کہ آپ کے کبوتروں میں۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ ظاہری شکل تو بصورت اور اس کے ساتھ اڑان اور کھیل۔

گرامی صاحب یہاں کئی روز رہے اور خوب شعر خوانی ہوتی رہی مگر وہ کچھ بیمار ہو گئے جس میں اُن کے وہم نے اور بھی اضافہ کر دیا۔ یہاں ڈاکٹر صاحب کو دکھلایا گیا۔ اگر وہ ٹھہرتے تو اُن کا باقاعدہ علاج کرایا جاتا۔ جالندھر اور ہوشیار پور کی نسبت تو اُن کے قدر دانوں کی تعداد لاہور میں زیادہ ہے۔ پھر معلوم نہیں وہ کیوں جلد اُداس ہو جاتے ہیں۔ کل اُن کا خط آیا تھا، جس میں اُنھوں نے ایک شعر نہایت مزے کا لکھا تھا۔ اس ضیافتِ روحانی میں آپ کو بھی شریک کرتا ہوں ؎

سبق از یک ورق لیلیٰ و مجنوں را چہ حال است ایں
یکے دیوانہ می گردد یکے فرزانہ می خیزد

مخلص
محمد اقبال
لاہور، ۱۱ مئی، ۱۹۲۰ء

## ۴۲

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے، الحمد للہ کہ آپ کو صحت ہو گئی۔ جس کبوتر کا آپ نے ذکر کیا ہے اُس کو میں نے بھی خصوصیت سے نوٹ کیا ہے۔ واقعی شکل سے بھی نہایت اچھا اور صاحبِ اوصافِ مطلوبہ معلوم ہوتا ہے۔

نواب ابراہیم علی خاں صاحب نے کنج پورہ سے چند سفید کبوتر بھیجے ہیں۔ دیکھنے میں وہ بھی نہایت اچھے ہیں۔ کیا عجب کہ اوصاف میں بھی اچھے ہوں۔ چونکہ بھیجنے والا بانیٔ کعبہ کا ہمنام ہے

اس واسطے میں نے ان کبوتروں کو کبوترانِ حرم کا خطاب دیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل کے کبوترانِ حرم پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کسی فارسی استاد کا شعر تھا۔ میں نے اس پر ایک اور شعر لگا کر شریفِ حرم کو خطاب کیا ہے :-

با مُرغِ حرم از منِ دل سوختہ فرما
اے آنکہ بصحرا نفس آزاد برآری
جویائے گلستانی و از طالع گمُراہ
ترسم نہ سر از خانۂ صیّاد برآری"

آپ کا مضمونِ خلافت میری نظر سے نہیں گزرا، مگر منگوا کر دیکھوں گا۔ شیخ عمر بخش صاحب نے بھی اُس کا ذکر کیا تھا۔ ایران کے فلسفے پر میں نے ایک کتاب لکھی تھی، محض ایک خاکہ تھا، جسے بعد میں پُر کرنے کا مقصد تھا۔ مگر وقت نے مساعدت نہ کی۔ افسوس کہ اب اس کی کوئی کاپی میرے پاس موجود نہیں۔ گورنمنٹ کالج کے کُتب خانے میں ایک کاپی ہے۔ کئی دن ہوئے، میں نے راما کرشنا، کُتب فروش لاہور سے کہا کہ لنڈن سے اُس کی ایک کاپی مجھے منگوا دے۔ لنڈن سے مل سکتی ہے۔ پتہ یہ ہے :-

**Oriental Publishers & Booksellers,**
**Opposite to British Museum, London.**

مخلص
محمد اقبال

## ۴۳

لاہور، ۱۸ مئی ۱۹۲۰ء

مخدومی! السّلام علیکم
نوازش نامہ مل گیا ہے، جس کے لیے ممنون ہوں۔

میں نے نبیؐ کریم کو مخاطب کر کے ایک فارسی قصیدہ لکھنا شروع کیا ہے۔ جس میں یہ سب مضامین انشاءاللہ آ جائیں گے۔ عرشی امرتسری نے چند شعر لکھ کر میرے زخم کو چھیڑ دیا ہے اُن کا معمولی جواب تو میں نے زمیندار میں شائع کر دیا تھا۔ جو آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ اصل جواب ابھی باقی ہے۔ ابھی چند اشعار ہی لکھے ہیں۔ مگر اُن کے لکھنے وقت قلب کی جو حالت ہوئی۔ اس سے پہلے عمر بھر کبھی نہ ہوئی تھی۔ دو شعر لکھتا ہوں :-

بہرِ نذرِ آستانت از عجم آوردہ ام
سجدۂ شوقے کہ خوں گردید در سیمائے من
تیغِ لا در پنجۂ ایں کافرِ دیرینہ دہ
باز بنگر در جہاں ہنگامۂ الّائے من

مخلص
محمد اقبال

## ۴۴

لاہور ۲۱ مئی ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

یہ معلوم کر کے رنج ہوا کہ آپ ابھی تک ناتواں ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحتِ عاجل کرامت فرمائے۔
جس رشتے کا میں نے ذکر کیا تھا۔ اس کے کوائف مختصر یہ ہیں :
آپ شاید . . . کو جانتے ہوں گے۔ یہ صاحب عرصے سے لاہور میں مقیم ہیں اور . . . کے رشتہ دار اور اصل میں . . . کے رہنے والے ہیں . . . کے مکان کے قریب ہی اُن کا مکان ہے۔ یعنی . . . کے باہر۔
جس لڑکی کا میں نے ذکر کیا تھا، وہ اُن کی نواسی ہے۔ لڑکی کے باپ . . . کو میں کئی سالوں سے جانتا ہوں۔ نہایت نیک نفس آدمی ہے۔ وہ بھی . . . کے عزیزوں میں ہیں

. . . اصحابِ متذکرہ کے نام اور کوائف مصلحتاً حذف کر دیئے گئے ہیں۔

اور . . . . کے رہنے والے ہیں۔ فنانشیل کمشنر کے دفتر میں بمشاہرہ یک صد یا شاید ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار ملازم ہیں۔ اُن کے ہاں اور کوئی اولاد نہیں ہے . . . . کا بھی کوئی وارث سوائے اس لڑکی کی والدہ کے نہیں ہے۔ غرض کہ سارے خاندان میں صرف یہی ایک لڑکی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، لڑکی کی تعلیم و تربیت اچھی ہے اور شکل و صورت کے اعتبار سے بھی بہت اچھی ہے۔ والد اس کا خوش شکل آدمی ہے۔ اس سے بھی یہی قیاس ہوتا ہے . . . . صحیح النسب بھی ہوتے ہیں۔ مزید حالات بھی اگر آپ چاہیں تو معلوم ہو سکتے ہیں میں نے یہ خط بہت جلدی میں گھسیٹا ہے۔ اس واسطے کہ روزہ کی وجہ سے طبیعت پریشان ہے اور شام کا وقت قریب ہے۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

## ۴۵

لاہور، ۱۰ر جون ۱۹۲۰ء

مخدومی! السّلام علیکم

نوازش نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

انسانوں کو خُدا نے قبائل میں تقسیم کیا۔ اس واسطے کہ اُن کی شناخت کی جا سکے۔ (و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا)، نہ اس واسطے کہ یہ امتیاز سلسلۂ ازدواج میں ممد و معاون ہو۔

خویشتن را ترک و افغاں خواندۂ
وائے بر تو آں چہ بُودی ماندۂ

بہر حال میں مزید حالات دریافت کروں گا۔ اُن کے صحیح النسب افغان ہونے میں تو کلام نہیں مگر ریاست میں وہ شاید یہ سلسلہ پسند نہ کریں۔ اگر اُمید افزا جواب ملا تو لکھوں گا۔
لندن و برلن کا سفر ضرور کیا تھا، مگر وہ بات اور تھی۔

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

اگر وہی اسباب ابھی محرک ہوں تو اقبال افریقہ کے ریگستان طے کرنے کو تیار ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھئے کہ جالندھر نہ آئے گا۔ آموں کی کشش کشش علم سے کچھ کم نہیں۔ یہ بات بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ کھانے پینے کی چیزوں (میں) صرف آم ہی ایک ایسی شے ہے جس سے مجھے محبت ہے۔ کل سردار جوگندر سنگھ، ایڈیٹر ایسٹ اینڈ ویسٹ ملنے آئے تھے۔ کہتے تھے لکھنؤ سے بھجواؤں گا اور ساری فصل بھجواتا رہوں گا۔ چند سال ہوئے مولانا اکبر نے الٰہ آباد سے لنگڑا آم بھیجا تھا۔ میں نے رسید میں یہ شعر لکھا :-

اثر یہ تیرے اعجازِ مسیحائی کا ہے اکبر
الٰہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک پہنچا

غرض کہ انشاء اللہ اب کے جالندھر میں آپ سے ملاقات ہونے کی اُمید ہے۔ جولائی میں عدالت بند ہونے پر مجھے شاید کلکتہ یا الٰہ آباد جانا ہوگا۔ کیونکہ وہاں ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی کانفرنس ہے اور پنجاب یونیورسٹی نے مجھے اپنا نمائندہ منتخب کیا ہے۔ اس سفر سے واپس آتے ہوئے انشاء اللہ نیاز الدین خاں صاحب کا نیاز حاصل ہوگا۔

افسوس کہ قصیدہ ابھی تک ختم نہ ہوا۔ البتہ کچھ شعر اور ہو گئے ہیں۔ کیا کیا جائے یک سر و ہزار سودا۔ لیکن جو کچھ میرے دل میں ہے وہ کاغذ پر آ گیا تو واقعی وہ قصیدہ ایسا ہی ہوگا کہ اسے وظیفہ میں داخل کیا جائے۔ اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ جو پروفیسر نکلسن نے کیا ہے تیار ہو کر پبلشر کے پاس چلا گیا ہے۔ اُمید ہے۔ دو چار ماہ میں شائع ہو جائے گا۔ پروفیسر نکلسن نے یہاں ایک پروفیسر کو خط لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ اس مثنوی کے خیالات **Most original and remarkable.** ہیں۔ انگلستان میں انھوں نے کئی لیکچر اس مثنوی پر دیئے ہیں۔ ان کو یقین ہے کہ ترجمہ مقبول ہوگا۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ خُدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ گرمی کی شدت یہاں بھی ہے۔ اب تک صرف گیارہ روزے رکھ سکا ہوں۔ وسط ایشیا کی ہانڈی اُبل رہی ہے۔

خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے۔

تا بروید لالۂ آتش نژاد از خاکِ شام
باز سیرابش ز خونابِ مسلماں کردہ اند

کونٹ ٹالسٹائی (روسی امیر جس نے راہبانہ زندگی اختیار کرلی تھی اور جو اس ملک کے بہترین مصنفین میں تھا) کا خیال تھا کہ "لالۂ آتش نژاد" منگولین قوم سے پیدا ہوگا اور اس وقت دنیا میں موجود ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ اس کا خروج یا ظہور کب ہوگا اور وہ اس وقت روس میں ہے یا وسطِ ایشیا میں یا شام میں۔

مخلص
محمد اقبال

## ۴۶

لاہور، ۲۸ر اکتوبر، ۱۹۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

والانامہ ملا۔ الحمدللہ کہ اب آپ کا مزاج بخیر ہے۔ شیخ صاحب سے آپ کی خیر و عافیت کی خبر ملتی رہی ہے۔

علی گڑھ سے ابھی تک کوئی خبر نہیں آئی۔ اسلامیہ کالج میں بھی وہی حالات پیدا ہو چلے تھے مگر طلبا کو چھٹی دے دی گئی ہے اور الحاق کے بارے میں خود اُن کی رائے میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے امید ہے کہ اب اس بارے میں بھی اراکین انجمن کو تردّد نہ رہے گا۔ میری تو یہی رائے ہے کہ گرانٹ اور الحاق کے بارے میں جو فتویٰ علما کا ہو۔ اُس پر عمل کرنا چاہیے۔ چونکہ واجب الطاعۃ امام اس وقت موجود نہیں۔ اس واسطے جمہور، مشاہیرِ عُلمائے ہند کا فتویٰ ضروری ہوگا۔ صرف ایک عالم کا فتویٰ اس بارے میں کافی نہیں، خواہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ علماء کی غالب جماعت کا اس پر اتفاق ہونا چاہئے۔ ذاتی رائے میری خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر علماء کا فتویٰ میری ذاتی رائے کے خلاف ہو تو سرِ تسلیم خم ہے۔ جہاں تک میں اندازہ کرتا ہوں۔ قرآن کے احکام اس بارے میں صاف و واضح ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض مشہور علماء فتویٰ دیتے ہوئے خائف ہیں۔ بعض کی خدمت میں

میں نے خطوط لکھے ہیں مگر امید نہیں کہ جواب ملے۔

باقی رہا میرا ان لوگوں سے ہم خیال ہونا۔ ہم خیالی صرف اسی حد تک ہے۔ جس حد تک قرآن کا حکم ہو اور بس۔ اخباروں میں اُنھوں نے شائع کیا ہے کہ اقبال نے قومی آزاد یونیورسٹی سے متعلق مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یُوں تو مسلمانوں کے معاملات میں اگر مجھ سے مدد طلب کی جائے تو مجھے تعمیلِ حکم میں کیونکر تامّل ہو سکتا ہے۔ تاہم جو کچھ اخباروں میں لکھا گیا ہے، بالکل غلط ہے۔ میرے ساتھ اُن کی کوئی گفتگو اس بارے میں نہیں ہُوئی۔ واقعات کی رُو سے یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس خیال سے کہ علی گڑھ میں اس بیان سے لوگ دھوکا نہ کھائیں۔ میں نے ایک تار آنریری سیکرٹری کو دیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، جو اخباروں میں شائع ہوئی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال

## ۴۷

مخدومی! السّلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ لیکن اس کا جواب لکھنا کاسے دارد۔ بہت طویل ہو گا۔ فرصت مل گئی تو لکھوں گا۔ ورنہ اس وقت کا منتظر رہوں گا جب میں جالندھر آؤں یا آپ لاہور تشریف لاویں۔ انجمن کی سیکرٹری شپ سے میں نے استعفےٰ ضرور دیا تھا۔ مگر کام اب تک کر رہا ہوں۔ اور جب تک استعفا منظور نہ ہُوا، کرتا رہوں گا۔ اُمید کہ عوام کی حالتِ جنوں اب زیادہ دیر تک نہ رہے گی۔ تعلیم میں عدمِ تعاون کرنے کا طریقہ یہ نہ تھا، جو بعض لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اگر عدمِ تعاون کو شرعی فرض بھی تسلیم کر لیا جائے تو طریقِ کار میرے نزدیک شریعتِ اسلامیہ کی سپرٹ کے مخالف ہے۔ اس پر مفصل گفتگو زبانی ہو گی اور احکامِ شریعت جو میری سمجھ میں آتے ہیں، عرض کروں گا۔ زمیندار میں آپ نے میرا مضمون ملاحظہ کیا ہو گا۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ کی صحت اب اچھی ہے۔ انشاءاللہ کمزوری بھی رفتہ رفتہ

دُور ہو جائے گی۔

مخلص

۳ر دسمبر ۱۹۲۰ء

محمد اقبال ۔ لاہور

۴۸

لاہور، ۲۱ر جنوری ۱۹۲۱ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ملا، الحمد للہ کہ اب آپ بالکل بخیریت ہیں اور مارچ میں لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں۔ آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوگی۔ صرف اسرارِ خودی کا ترجمہ انگریزی میں ہُوا ہے۔ انگلستان اور امریکہ کے اخبارات میں عجیب و غریب ریویو اس پر شائع ہو رہے ہیں۔ اس وقت تک تین ریویو میری نظر سے گذرے ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ پچاس ریویو شائع ہو چکے ہیں۔ نکلسن (مترجم کتاب) نے جو دیباچہ لکھا ہے۔ وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ یورپ کے پڑھے لکھے آدمیوں میں اُمید نہیں کہ یہ کتاب مقبول ہو۔ کیونکہ زندگی کے اعتبار سے وہ ممالک خود پیری کی منزل تک پہنچنے کو ہیں۔ نوجوان ملکوں پر اس کا اثر یقینی ہے یا ایسی اقوام پر جن کو خدا تعالیٰ نئی زندگی عطا کرے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی اشاعت ایک اور کتاب کے لیے جو میں لکھ رہا ہوں، زمین تیار کر دے گی۔ اس کا یورپ میں مقبول ہونا بہت ممکن ہے۔ گو ہندوستان میں شاید وہ بھی مقبول نہ ہو۔ بہر حال یہ محض قیاسات ہیں۔ قلوب کے حال کا سوائے خدا کے اور کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

کبوتر اب کے بہت سے شاہین نے ضائع کر دیئے ہیں۔ آپ کے کبوتر سوائے ایک۔ دو کے سب محفوظ ہیں۔ ایک جوڑے نے اتنے عرصے میں اب بچے دیئے ہیں۔ جو اگلے سال اُڑنے کے قابل ہوں گے۔

مولوی گرامی صاحب کے خطوط چنداں قابل اعتبار نہیں ہُوا کرتے۔ وہ جالندھر میں آجائیں تو اُن کے لیے مکان کا انتظام کیجیے۔

صائب کے مطلع کا دوسرا مصرعہ لاجواب ہے۔ آپ کا شعر بھی خوب رہا۔ والسلام

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

۴۹

لاہور، ۲۳ر اپریل ۱۹۲۱ء

مخدومی! میں نواب ارشاد علی خاں صاحب کے مقدمہ کے لیے شملہ گیا ہوا تھا۔ وہاں سے دس روز کے بعد واپس آیا تو آپ کا خط ملا۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ہاں شیخ عبدالقادر صاحب جج ہو گئے۔ وسط مئی سے کام شروع کریں گے۔

مولانا اکبر کی تنقید میں نے بھی دیکھی ہے۔ہمدم دیرینہ ہیں۔ اس واسطے مجھے یاد کر لیتے ہیں۔ مولانا گرامی کی کوئی نئی رباعی موصول نہیں ہوئی۔ اسرارِ خودی کا ترجمہ انگریزی Messrs Macmllan & Co. Publishers, Calcutt سے ملے گا۔

باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے۔ اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۵۰

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا پوسٹ کارڈ مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ فتح نامۂ تیموری کا مجھے علم نہیں۔ تیموری تزک مشہور ہے جس کی نسبت بعض مؤرخین کو شک ہے کہ تیمور کی نہیں بلکہ کسی اور کی لکھی ہوئی ہے۔ ابنِ عرب شاہ نے تیموری تاریخ لکھی ہے جس میں مصنف نے خوب دل کھول کر گالیاں دی ہیں۔ تزک تیموری کا اُردو ترجمہ مولوی انشاء اللہ، ایڈیٹر وطن نے کیا تھا۔ تزک پڑھنے کا شوق ہو تو تزکِ بابری بہترین کتاب ہے۔ والسلام۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

۱۷ر جون، ۱۹۲۱ء

محمد اقبال، لاہور

## ۵۱

لاہور، ۸ دسمبر ۱۹۲۱ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

میں اس شعر کا مطلب آپ کو نہ بتاؤں گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ دوسرا مصرع سمجھتے ہیں جس کو دوسرا مصرع آتا ہے۔ اُسے پہلا بھی آتا ہے۔ اپنی طبیعت کو ٹٹولیے۔ وہاں اس کا مطلب مل جائے گا۔ پوری غزل مخزن کے گذشتہ نمبر میں شائع ہوئی تھی۔ مجھے اشعار تمام یاد نہیں، کہیں لکھے رکھے ہیں۔ تلاش کی ہمت نہیں۔ مخزن کا وہ نمبر منگوا لیجیے۔

مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔ سردار امراؤ سنگھ شملہ جا رہے ہیں۔ یہاں سے احباب کی ایک جماعت کرسمس کی تعطیلیں گزارنے کے لیے شملہ جانے کا قصد کر رہی ہے۔ اگر مولینا گرامی دسمبر میں لاہور آجائیں تو میرے لیے لاہور کی سرد آب و ہوا میں تھوڑی سی حرارت پیدا ہو جائے۔ اُن کی خاطر شملہ کی صحبت ترک کر دوں گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

آپ کے کبوتر بہت اچھے ہیں مگر افسوس کہ زمانۂ حال کی مغربی تہذیب سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ بچوں کی پرورش سے بہت بیزار ہیں۔ والسلام۔

مولینا گرامی کی خدمت میں آداب عرض۔ اُن کو یہ شعر سنائیے۔

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

محمد اقبال

## ۵۲

لاہور، ۱۳ دسمبر ۱۹۲۱ء

مخدومی! السلام علیکم

کل آپ کے چھوٹے بھائی امیرالدین خاں لاہور میں تھے۔ اُن سے آپ کی اور مولوی

گرامی صاحب کی خیریت معلوم ہوئی۔ آج آپ کا خط بھی ملا۔ شعر کا مطلب جو آپ نے سمجھا، ٹھیک ہے۔ تختۂ گل کوئی محاورہ نہیں۔ تختۂ گل سے تختۂ گل ہی مُراد ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جبینِ سجدہ ریز کی وجہ سے دیر کی راہ تختۂ گل بن گئی ہے۔ فارسی والے سجدے کو پھول سے تشبیہ دیتے ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ مولوی گرامی طال عمرہٗ کو دُعا کہیئے۔

محمد اقبال

## ۵۳

مخدومی! السلام علیکم

پوسٹ کارڈ مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ ہے۔

مولینا گرامی کب تک جالندھر کی سیر کریں گے۔ وہاں رہنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ یہاں کے لوگ ان کے مشتاق ہیں اور ہر روز اُن کے متعلق استفسارات رہتے ہیں ہمت مردانہ والی غزل کہیں لکھی رکھی ہے۔ کاغذ مل گیا تو نقل کر کے بھیج دوں گا۔

آپ کی خاطر میں نے بدو رکعت نماز ے کا مصرع اول بدل دیا۔ اب وہ مصرع یوں ہے:

گہے بندۂ بتانم گہے زایرِ مغانم

کہ نیاز من نگنجد . . . . الخ

والسّلام

محمد اقبال

۱۶ر دسمبر ۱۹۲۱ء

لاہور

## ۵۴

لاہور، ۱۴ر جنوری ۱۹۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کے دونوں خط مل گئے ہیں۔

نبیِ کریمؐ کی زیارت مُبارک ہو۔ اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ دُوسری

رویا کا بھی مفہوم یہی ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیئے تاکہ قلب محمدی نسبت پیدا کرے۔
اِس نسبتِ محمدیہ کی تولید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آتے ہوں۔ خلوص و محبت کے ساتھ محض قرأت کافی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبیؐ کریم زندہ ہیں اور اِس زمانے کے لوگ بھی اُن کی صحبت سے اسی طرح مُستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہُوا کرتے تھے لیکن اِس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہو گا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ مولینا گرامی لاہور میں تشریف رکھتے ہیں۔ کبوتر موجود ہیں مگر مشکلوں سے بچے پالتے ہیں۔ بڑی دیر کے بعد ایک جوڑے نے بچوں کی پرورش کی ہے

والسلام

مخلص

محمد اقبال

## ۵۵

۲۴ر جنوری ۱۹۲۲ء

مخدومی! السّلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ بخیریت ہیں۔ مولانا گرامی چند روز رہ کر واپس تشریف لے گئے۔ اُنھوں نے یا اُن کے احباب نے پُرانا ہی نسخہ استعمال کیا اور میں نے پیش گوئی بھی کر دی تھی کہ یہ نسخہ استعمال کیا جائے گا۔ بہرحال چند روز اُن کی صُحبت میں اچھے گزر گئے۔ "زندگی سے مُراد زندگی بجسدِ عنصری نہیں۔ حضرت صدیقؓ نے قرآن کی آیت پڑھی تھی۔ قد خلت من قبله الرسل اور یہ حق ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مولوی گرامی صاحب سے مل کر میرا سلام عرض کیجئے۔ اُن کا یہ شعر نہیں بھولتا۔

کتابِ عقل ورق در ورق فرد خواندم
تمام حیلہ فروشی و مدّعا طلبی است

محمد اقبال، لاہور

## ۵۶

لاہور، ۱۸ر مارچ ۱۹۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ملا۔ استفسارِ حال کا شکریہ۔

پہلے کی نسبت اب کچھ افاقہ ہے۔ اب کے اچھا ہولوں تو انشاء اللہ سیرِ سحر گاہی کا التزام کروں گا۔ غزل نقل کرنے کی ابھی ہمت نہیں۔ آپ لاہور تشریف لائیں گے تو نقل کرادوں گا۔ اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔ والسلام۔

محمد اقبال، لاہور

## ۵۷

مخدومی! السلام علیکم

میں امتحان کے پرچوں میں مصروف رہا۔ اس واسطے آپ کے خط کا جواب نہ عرض کر سکا ابھی آپ کا خط ملا ہے۔ میں نے سیّد صفدر علی شاہ صاحب کے ہمدست آپ کے لیے ایک کاپی خضرِ راہ کی ارساں کی تھی۔ تعجب ہے کہ وہ آپ تک نہیں پہنچی۔ آپ کے فارسی اشعار ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں۔

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ فارسی اشعار کی اصلاح مولوی صاحب سے لیجیے۔

۱۵ر مئی ۱۹۲۲ء محمد اقبال، لاہور

## ۵۸

مکرم بندہ خان صاحب! السلام علیکم

مجھے نقرس کی بیماری تھی۔ آپ کے دوست کو عرق النسا ہے۔ وہ اور چیز ہے اور اس کا علاج اس سے بالکل مختلف ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام۔

۱۰ر جولائی ۱۹۲۲ء محمد اقبال، لاہور

## ۵۹

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ میں شملہ سے بخیریت واپس آکر ایک دو روز کے لیے لدھیانہ ٹھہرا تھا، مگر افسوس کہ وہاں مجھے نقرس کی پھر شکایت ہوگئی۔ اس واسطے اسی شام لاہور چلا گیا۔ وہاں سے چند گھنٹے کا قیام کر کے سیالکوٹ چلا آیا، کیونکہ میرے بھائی صاحب کی علالت کی خبر آئی تھی۔ دوا کے متواتر استعمال سے نقرس کی شکایت رفع ہوگئی۔ جالندھر میں مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں ٹھہرنے کا قصد تھا مگر نقرس کی شکایت نے مجھے رستے میں ٹھہرنے نہ دیا۔ اندیشہ تھا کہ اگر شکایت زیادہ ہوگئی تو مولوی صاحب کے لیے باعثِ زحمت بن جاؤں گا۔ اب اُن کی ملاقات کسی اور موقع کے لیے اُٹھا رکھتا ہوں۔ انشاءاللہ یہاں سیالکوٹ میں قریباً ایک ہفتہ قیام رہے گا۔ ستمبر میں ممکن ہے، پھر شملہ جاؤں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسّلام۔

مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ آپ کی رُباعی اچھی ہے۔

محمد اقبال، لاہور ۱۷/اگست ۱۹۲۲ء

## ۶۰

لاہور، ۱۶/دسمبر ۱۹۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لیے شکر گزار ہوں۔ افسوس ہے میں علی گڑھ نہ جا سکوں گا۔ سردی کا موسم (ہے) اور مجھے اس موسم میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ علی گڑھ کانفرنس ایک مدت سے مر چکی ہے حبیب الرحمٰن خاں شروانی اُسے زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر:

پئے نافہ ہائے رمیدہ بو، بپسند زحمتِ جستجو

بخیالِ حلقۂ زلفِ اُو، گرہے خورد بختن درآ

محمد اقبال

## ۶۱

لاہور، ۱۹ دسمبر ۱۹۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

مالیر کوٹلے کی جی کے متعلق یہ عرض ہے کہ آپ ایک باقاعدہ عرضی لکھیں۔ نواب مالیر کوٹلہ سے مجھے بھی واقفیت ہے۔ میں اس پر سفارش لکھوں گا اور نواب صاحب سے بھی لکھوا دوں گا۔ اس کے علاوہ میر عبداللہ شاہ صاحب، نواب صاحب پرائیویٹ سیکرٹری بھی میرے دوست اور ہم جماعت ہیں، اُن کی خدمت میں بھی خط لکھ دوں گا۔ عرضی لکھ کر آپ لاہور لے آئیں۔ ذوالفقار علی خاں صاحب سے نواب مالیر کوٹلہ کے مراسم بہت اعلیٰ درجہ کے نہیں ہیں۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی عرضی پر سفارش لکھنے سے دریغ نہ کریں گے اور اگر سفارش کے علاوہ پرائیویٹ خط بھی اُنھوں نے لکھ دیا تو ازیں چہ بہتر۔ تصویر آپ کی خدمت میں مرسل ہے۔ مگر اس میں تامل ہے کہ اُسے کسی نمایاں جگہ پر لٹکایا جائے۔ میں بڑے بڑے مجمعوں میں محض اس لیے نہیں جایا کرتا کہ لوگ دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں وہ اقبال آیا۔ مجھے اس قسم کی شہرت سے بہت اُلجھن ہوتی ہے۔ باقی خیریت ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام۔

مخلص

محمد اقبال

## ۶۲

مکرمی جناب خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط صبح مل گیا تھا۔ الحمدللہ کہ جناب کا مزاج بخیر و عافیت ہے۔ میں بھی خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ کل شام ہوائے سرد کی وجہ سے دردِ گردہ کا آغاز تھا مگر میں نے فوراً تدابیر اختیار کر لیں اور خدا کے فضل و کرم سے تندرست رہا۔ رموزِ بے خودی کے ترجمے کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں، مگر اُمید نہیں کہ اس کا ترجمہ یورپ میں ہو کہ اُس کے مضمون سے یورپ والوں کو چنداں دلچسپی نہیں ہے۔ مسلمان ہی اس کا مفہوم سمجھ جائیں تو غنیمت ہے۔ البتہ

پیامِ مشرق کا ترجمہ ہونا ممکن ہے۔ لیکن مجھے اس قدر فرصت نہیں کہ اُس کا ترجمہ کروں۔ اگر اُن کو اُس کی ضرورت محسوس ہُوئی تو خود کر لیں گے۔ آپ کے اشعار خوب ہیں۔ مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں خط لکھا تھا۔ وہ ۲۰ مارچ تک لاہور آنے کا وعدہ بھی کرتے ہیں، مگر اُمید نہیں کہ آئیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔

خادم

۱۲ مارچ، ۱۹۲۳ء

محمد اقبال، لاہور

## ۶۳

لاہور، ۲۵ مئی ۱۹۲۳ء

ڈیئر خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط پہنچ گیا تھا۔ میں علیل تھا اور اب تک ہوں۔ اس واسطے جواب عرض نہ کر سکا۔ شیخ مبارک علی صاحب مجھ سے نہیں ملے۔ وہ یہاں سے بہت دُور ہیں۔ اگر وہ آ گئے تو میں اُن سے کہہ دوں گا کہ آپ کی خدمت میں کتاب ارسال کر دیں۔ کتاب کو شائع ہُوئے دو ہفتے سے زیادہ ہو گئے اور شاید نصف کے قریب نکل بھی گئی ہے۔ ایک ہزار کاپی شائع ہُوئی تھی۔ آپ کا مضمون میں نے اخبار میں دیکھا۔ آپ کی تجویز خُوب ہے۔ مگر ابھی اس مُلک کے لوگ ان امُور کی شناخت نہیں رکھتے۔ مجھ سے بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ لاہور کی نیابت کونسل میں کرو۔ لیکن اور اُمیدوار بھی ہیں اور میں یہ بات خلافِ اِنصاف تصوّر کرتا ہوں کہ اُن سے کہوں کہ تم میری خاطر اُمیدواری سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ وعدۂ امداد کے لیے شکر گزار ہوں۔ مگر غالباً میں کھڑا نہ ہوں گا۔ ہاں اگر لاہور کے لوگوں نے مجبور کیا تو یہ بوجھ سر پر اُٹھانا ہوگا۔ گرامی صاحب کا ایک عرصہ سے کوئی خط نہیں آیا۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ میرا مسوڑا پھول گیا تھا، آپریشن کرایا گیا۔ جس سے تکلیف میں اضافہ ہوا۔ اب کچھ آرام ہے۔ والسلام

محمد اقبال

## ۶۴

لاہور، ۲۵ر جون، ۱۹۲۳ء

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

آپ کے مضمون کا دُوسرا حصّہ مُسلم آؤٹ لُک میں شائع ہو گیا ہے۔ آپ کے ملاحظہ سے گزرا ہو گا۔ مرزا جلال الدین صاحب نے بھی اس کے متعلق کچھ لکھا ہے، جو میں نے نہیں دیکھا۔ وہ ذکر کرتے تھے کہ مُسلم آؤٹ لُک میں شائع ہو گا۔ آپ کے دوست ضرور آپ کے ہم خیال ہوں گے۔ مگر اقبال فنڈ قائم کرنا جس میں، میرے ضمیر کی آواز بھی شامل ہے، دُرست نہیں۔ مسلمان غریب قوم ہیں اور باوجود اس غریبی کے گذشتہ دس بارہ سال میں ایک کروڑ روپیہ سے زیادہ چندوں میں دے چکے ہیں۔

میں خود تو یہاں تک احتیاط کرتا ہوں کہ جو لوگ کتاب کو پڑھ نہیں سکتے، وہ اُسے خرید بھی نہ کریں، کیونکہ اُن کو اس کی خریداری کی ترغیب دینا ایک قسم کی ناانصافی ہے۔ باقی رہا میں، سو میری طرح اُمتِ مرحومہ میں سینکڑوں آدمی آ کے گذر گئے ہیں جنھوں نے رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے کام کیا ہے۔ مجھ سے بھی جہاں تک ہو سکے گا، اُنھیں کی تقلید کروں گا۔

شاید آپ نے کسی گذشتہ خط میں مجھ سے کونسل کی اُمیدواری کے متعلق دریافت کیا تھا سو عرض ہے کہ لاہور کے مسلمانوں نے مجھ سے بہت کہا مگر میں نے انکار کر دیا۔ لیکن اب تک انکا اصرار بدستور جاری ہے۔ قریباً ہر روز اُن کا ایک نہ ایک وفد آ جاتا ہے۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال

## ۶۵

۲۰ر جولائی، ۱۹۲۳ء

ڈیر خان صاحب! السّلام علیکم

آپ کا خط صبح آیا تھا۔ کچہری سے واپس آ کر اُسے پڑھا۔ غالباً میں الیکشن کے ہنگامے

میں نہ پڑوں گا۔ لاہور کے لوگ مجبور کرتے ہیں اور بہت سے ڈیپوٹیشن ان کے آ چکے ہیں۔ مگر میاں عبدالعزیز سے مقابلہ کرنا میں نہیں چاہتا۔ ان سے دیرینہ تعلقات ہیں۔ اگرچہ مقابلے کے بعد انتخاب ہو جانا قریباً یقینی ہے۔ تاہم یہ بات مروت کے خلاف ہے۔ کہ ایک موہومی دنیوی فائدے کی خاطر دیرینہ تعلقات کو نظر انداز کر دوں۔

پیامِ مشرق کے متعلق بہت سے خطوط دور و نزدیک سے آئے ہیں اور آ رہے ہیں برلن سے ایک پروفیسر نے لکھا ہے کہ "حیرت انگیز" کتاب ہے۔ پروفیسر ہارووٹز، جو علی گڑھ میں عربی کے پروفیسر تھے اور اب جرمنی میں اس پر ریویو لکھ رہے ہیں جو جرمن اخبارات میں شائع ہوگا۔ پروفیسر نکلسن نے اس کا ترجمہ انگریزی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک قابلِ تحسین جواب گوئٹے کے دیوان مغربی کا ہے اور جدید اور ادیجنل خیالات وافکار سے لبریز ہے۔

میں یہ سن کر خوش ہوا کہ اس کے اثر سے آپ پر اشعار نازل ہوئے ہیں۔ مثنوی کے تیسرے حصے کے لیئے دل و دماغ تیار ہو رہے ہیں تکمیل اس کام کی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا عجب کہ اپنے حبیب پاک کے صدقے میں ان مضامین کو معرضِ شہود میں لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مثنوی کے تیسرے حصے میں مسلمانوں کے آئندہ سو سال کے افکار و اعمال کے لیے مواد ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

## ۶۶

مکرم بندہ جناب خان صاحب! السلام علیکم

میں نے جو کچھ آپ کو خط میں لکھا تھا وہ پرائیوٹ خطوط کا اقتباس تھا۔ یورپین لوگوں کے نزدیک پرائیوٹ خطوط یا ان کا اقتباس بغیر اُن کی اجازت کے چھاپنا ٹھیک نہیں۔ اس کے علاوہ اُس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ فرنک فورٹ کے پروفیسر ہارووایٹز کا ریویو عنقریب ہندوستان آئے گا۔ وہ غالباً خود ہی اس ریویو کی ایک کاپی

میرے ملاحظہ کے لیے ارسال کریں گے۔ اس کا انگریزی ترجمہ کرا کے یہاں شائع کر دیا جائے گا۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

محمد اقبال۔ لاہور

۲۸ جولائی، ۱۹۲۳ء

۲۸ کا مسلم آؤٹ لک ملاحظہ کیجیے۔

لاہور میں موسم اچھا رہا۔ آج قدرے گرمی ہے۔ میں کل سیالکوٹ جاتا ہوں۔ وہاں سے واپس آ کر اگر ممکن ہوا تو شملہ جاؤں گا۔

محمد اقبال

## ۶۷

ڈیر خان صاحب! السّلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں سیالکوٹ سے آ رہا ہوں۔ اب ایک دو روز میں شملہ جا رہا ہوں۔ جواب لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تو پہلے ہی اس تحریک کا مخالف تھا۔ اُن خطوط سے جو مسلم آؤٹ لک میں شائع ہوئے ہیں۔ مجھے اچھی طرح سے معلوم ہو گیا ہے کہ ہمارے لوگ حقیقتِ حال سے آگاہ نہیں۔

نا اُمید استم زیارانِ قدیم
طورِ من سوزد کہ می آید کلیم

والسّلام

محمد اقبال، لاہور

۲/ اگست، ۱۹۲۳ء

اُمید کہ آپ کا بخار اُتر گیا ہو گا۔

محمد اقبال

## ۶۸

مخدومی جناب خان صاحب! السّلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے شکریہ قبول فرمایئے۔ افسوس ہے کہ احسان کہیں

نہیں جا سکا۔ اگست کے شروع میں میری بیوی کو ٹائیفائڈ فیور ہو گیا۔ جس کی وجہ سے وہ شروع ستمبر تک بیمار رہیں۔ اگرچہ اب بخار نہیں۔ تاہم صحت ابھی تک درست نہیں ہوئی۔ نواب صاحب کا خط میں نے بھی دیکھا تھا۔ آپ کا خط بھی اُمید ہے نظر سے گذرے گا۔ پیامِ مشرق کی دوسری ایڈیشن تیار ہو رہی ہے۔ اس میں بہت سا اضافہ ہو جائے گا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

والسلام۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۱۰ ستمبر ۱۹۲۳ء

## ۶۹

مکرمی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں خدا کے فضل و کرم سے بخیریت ہوں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

نواب صاحب سے آپکی تحریروں کے متعلق میرا کوئی ذکر نہیں آیا۔ لوگوں کو ان باتوں کے متعلق سوچنے کی فرصت نہیں اور نہ وہ اس کام کو فی الحال سمجھ سکتے ہیں، جو میں نے کیا ہے، اس واسطے ان کو معذور سمجھ کر میں خاموش ہوں اور کسی ایسی تحریک میں کوئی خاص دلچسپی بھی نہیں رکھتا۔ اُمید کہ آپ کنج پورہ میں کوئی مفید کام کر سکیں گے۔ نواب کنج پورہ نہایت نیک نفس آدمی ہیں۔ اُن سے آپ کا نباہ بھی خوب ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۲۰ جنوری ۱۹۲۴ء

## ۷۰

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ مع الخیر کنج پورہ پہنچ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ علی گڑھ جانے کا قصد تو تھا مگر سردی اور متواتر بارش کی وجہ سے کمر میں درد ہونے لگی۔

یورک ایسڈ کے دُور کرنے کی دوائی پی رہا ہوں۔ اس اندیشہ سے کہ گوٹ کا حملہ نہ ہو جائے۔ پیامِ مشرق چھپ رہا ہے۔ مجموعۂ اُردُو مرتب ہو چکا ہے۔ دو تین روز تک کاتب کے ہاتھ میں ہوگا۔ حکماء کے اسما اچھی طرح پڑھے نہیں گئے۔ اگر یہ فلسفیوں کے نام ہیں تو

ان میں اکثر غیر معروف ہیں۔ مَیں صرف چند نام پڑھ سکا ہوں۔

(۱) Bain (ب ی ن) مشہور سائی کالوجسٹ ہے مگر اب اُس کو شاید کوئی نہیں پڑھتا۔

نمبر ۲ - Buchner (ب خ ن ر) بھی فلسفے میں لکھتا ہے مگر بہت مشہور اساتذہ میں نہیں سمجھا گیا۔

نمبر ۳. Geiger مستشرق ہے جس نے زیادہ تر ایرانی تہذیب و زبان پر لکھا ہے۔ ممکن ہے کوئی اور شخص ہو۔

نمبر ۴ - Physiology علم اعضائے انسانی

والسلام

مخلص

محمد اقبال

۱۱ر فروری ۱۹۲۴ء

آپ کا مصرع بہت اچھا ہے۔ محمد اقبال

## ۱۷

لدھیانہ، ۲۲ر اپریل ۱۹۲۴ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ لاہور میں طاعون کا زور ہے میں چند دنوں سے مع عیال لدھیانے میں مقیم ہوں۔ دو چار روز میں واپس لاہور جاؤں گا۔ قلندر صاحب بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ اُن کے عرس پر روپیہ صرف کرنا اور مسکینوں کو کھانا کھلانا بڑی برکت کا باعث ہے۔ اُمید کہ آپ کو اپنے نئے ماحول میں

کبھی کبھی پرائیویٹ مشاغل کے لیے فراغت مل جاتی ہو گی۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

## ۷۲

لاہور، ۱۳ر جولائی، ۱۹۲۴ء

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ میں کئی روز تک بیمار رہا۔ مسوڑا پھول گیا تھا جس کو کل چروا دیا گیا۔ اب خدا کے فضل سے آرام ہے۔ مگر گذشتہ ہفتہ سخت تکلیف رہی۔

اُردو مجموعہ چھپ گیا ہے۔ قریباً دو ہفتہ تک بالکل تیار ہو جائے گا۔ شیخ عبد القادر صاحب اس کا دیباچہ لکھ رہے ہیں۔ جو کل انشاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ اس کی لکھائی چھپائی میں ایک ہفتہ لگ جائے گا۔ میں بھی اگست میں شملہ جانے کا قصد کر رہا ہوں۔

آج کل گرمی سخت ہے۔ بارش مطلق نہیں ہوئی۔ فکرِ سخن کے لیے یہ موسم نہایت خراب ہے۔ تاہم کبھی کبھی شبنم کی کوئی نہ کوئی بوند برس جاتی ہے۔ ایک چھوٹی سی کتاب لکھ رہا ہوں جس کا نام غالباً یہ ہو گا:

**Songs of Modern David.**

نواب صاحب قبلہ کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

## ۷۳

لاہور، ۲۹ نومبر ۱۹۲۴ء

جناب خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ نواب صاحب کے صفاتِ ستودہ

کا میں مدّت سے قائل ہوں۔ خاص کر اُن کی دینداری اور اسلامیّت کا۔ اُن کے کام کے لیے میں دل و جان سے حاضر ہوں اور اپنی بساط کے مطابق اُن کے حقوق کے حصُول کے لیئے انشاء اللہ پُوری کوشش عمل میں لاؤں گا۔ میری طرف سے اُن کی خدمت میں عرض کر دیں کہ میری خدمات اُن کے لیے حاضر ہیں۔ میں خود ہی گورنر صاحب کی خدمت میں اُن کا میموریل پیش کر دوں گا (اگر اُن کی ایسی خواہش ہو)۔ موجودہ گورنر کو میں جانتا بھی ہوں اور اس کے علاوہ میرے پُرانے دوست اور اُستاد مسٹر آرنلڈ کے وہ نہایت گہرے دوست ہیں۔ غرض کہ میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔ باقی رہا فیس کا معاملہ، سو اُس کے متعلق فکر کرنے کی ایسی ضرورت نہیں۔ اوّل تو مجھے اس وقت معلوم نہیں کہ کام کی نوعیت اور مقدار کیا ہے۔ دوئم اگر یہ اُمور معلوم بھی ہوں تو خدانخواستہ یہاں دوکانداری نہیں، خلوص اور خدمت ہے۔ نواب صاحب خود بفضلہٖ نکتہ رس ہیں اور آپ بھی تجربہ کار آدمی ہیں۔ معاملات کی اہمیّت کا اندازہ کرنا جانتے ہیں۔ مجھے اس معاملے میں عرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سوائے اس کے کہ آپ کے خیال میں جو کچھ فیس اس خدمت کے لیے ماڈریٹ ہوگی، وہی میرے خیال میں بھی ماڈریٹ ہوگی۔ آپ اگر لاہور تشریف لائیں تو مجھے کام کی مقدار اور نوعیت سے آگاہ فرمائیں۔ میں مع سر ذوالفقار علی خاں آج شام کرنال جا رہا ہوں۔ دو ایک روز وہاں قیام رہے گا۔ ممکن ہے آپ سے یا نواب صاحب سے ملاقات ہو جائے۔ والسلام۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ نواب صاحب کی خدمت میں آداب عرض ہو۔

مخلص

محمد اقبال

## ۴۷

لاہور: ۲۳ ر دسمبر ۱۹۲۴ء

مخدومی جناب خاں صاحب! السلام علیکم۔

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک خط ملا تھا۔ مگر افسوس کہ میں بوجہ مشاغل خط نہ لکھ سکا۔ نواب صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجئے کہ میں میموریل لکھنے کے لیئے

حاضر ہوں۔ مگر آپ مہربانی کر کے تمام کاغذاتِ متعلقہ لاہور لے آدیں تاکہ کام کی کیفیت و کمیت کا اندازہ کر سکوں۔ اس کے علاوہ ان کو پڑھ کر اور سمجھ کر یہ رائے بھی لگا سکوں کہ آیا اس میں کامیابی کی توقع ہے یا نہیں۔ کیونکہ میرا فرض ہے کہ اس بارے میں بھی نواب صاحب کو بیشتر لکھنے کے رائے دے سکوں۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ نواب صاحب قبلہ کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔ میں تعطیلوں میں لاہور ہی میں رہوں گا۔ والسلام۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

## ۷۵

لاہور، ۲۰ جنوری، ۱۹۲۵ء

مکرمی جناب خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔

میموریل کے لیے ضروری (ہے) کہ تمام سامان کافی ہو، ورنہ میموریل لکھنا فضول ہے۔ آپ کو نظام کا معاملہ برار جو ابھی تازہ ہے، یاد ہوگا۔ اتنے سامان کے ہوتے ہوئے بھی کیسا جواب ملا۔ گو ہمارے نواب صاحب کے معاملہ کو برار کے معاملہ سے چنداں مناسبت نہیں، تاہم پوری تیاری کرنی ہوگی۔ یہ دقت زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ اور ریاستیں بھی جن کے اختیارات چھین لئے گئے تھے، اس معاملے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اُمرائے ہند کے متعلق اس وقت خیالات بھی اچھے نہیں ہیں۔ غرضیکہ موجودہ حالات میں پوری تیاری کرنی چاہیے اور اگر کامیابی کی اُمید موجودہ مسالہ سے نہ ہو تو انکار کرنا بہتر ہوگا۔

پیرزادہ صاحب کی مثنوی کا حال مجھے معلوم ہے۔ مسلمانانِ ہند کے دل و دماغ پر عجمی تصوف غالب ہے۔ وہ عربیت کے تخیلات کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ میں تو ایک معمولی آدمی ہوں۔ مجھے یقین ہے اگر نبی کریمؐ بھی دوبارہ پیدا ہو کر اس ملک میں اسلام کی تعلیم دیں تو

غالباً اس ملک کے لوگ اپنی موجودہ کیفیات اور اثرات کے ہوتے ہوئے حقائقِ اسلامیہ کو نہ سمجھ سکیں۔

اسلام نہایت سادہ مذہب ہے۔ لیکن اُس کی بدیہیات کے اندر ایسی مشکلات ہیں جن کی حقیقت کا سمجھنا آسان کام نہیں۔ خاص کر اُن لوگوں کے لیے جن کو عجمی "بلند خیالی" کے افسوں نے محسوس فراموش کر دیا ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

جناب نواب صاحب بہادر کی خدمت میں آداب عرض ہو۔

مخلص

محمد اقبال

## ۷۶

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ آپ بہمہ وجوہ مع الخیر ہیں۔ میں بھی خدا کے فضل وکرم سے بالکل تندرست ہوں۔ تعطیل لاہور ہی میں بسر کی۔

نواب صاحب کو بہ نسبت سابقہ آرام ہے۔ مگر ابھی پُورے طور پر صحت بحال نہیں ہُوئی۔ بہت کمزوری ہے۔ یکم اکتوبر کو شملہ سے دہلی جائیں گے۔ اور وہیں قیام کریں گے۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام۔

مولینا گرامی صاحب کی خدمت میں آداب۔

مخلص

محمد اقبال

۲۹ر ستمبر ۱۹۲۵ء

## ۷۷

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

حال کے فارسی شعراء کی کُتب مُشکل سے دستیاب ہوتی ہیں اور قیمتیں بہت گراں۔

بھنڈی بازار بمبئی میں ملک التجار ایرانی کی مشہور دوکان ہے۔ وہاں سے شاید دستیاب ہو جائیں۔

ملک الشعراء بہار قزوینی یا مشہدی کا دیوان چھپ گیا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے حال میں ایک اور مجموعہ 'اردی بہشت' نام دیکھا ہے۔ یہ گورنمنٹ کالج کی لائبریری میں موجود ہے۔ پروفیسر براؤن کی کتاب **Press and Poetry of Persia.** میں بھی بہت سے نمونے شعراء حال کے کلام کے موجود ہیں۔ مگر زمانۂ حال کے ایران کی نثر پڑھنے کے قابل ہے۔ نظم میں کچھ نہیں۔ زیادہ تر پولیٹیکل مضامین پر وہ لوگ لکھتے ہیں۔

والسلام۔

محمد اقبال

۸ر مارچ ۱۹۲۸ء

## ۷۸

ڈیئر خان صاحب! السلام علیکم

پنجاب مسلم لیگ کی طرف سے میمورنڈا سائمن کمشن کو بھیجا جائے گا جس میں مفصل حالات اور مسلمانوں کے مطالبات درج ہوں گے۔ انگلستان میں پروپگنڈا کا وقت اس سال نہیں، آئندہ سال آئے گا۔ افسوس کہ مسلمان پورے طور پر بیدار نہیں اور یوں بھی مفلس ہیں۔ 'اُمرا' اور خیالات میں غرق ہیں۔ علماء مذہبی جھگڑوں میں مصروف ہیں۔ بعض خود غرض لوگ محض اپنی گرم بازاری کے لیے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرتے رہتے ہیں۔ والسلام۔

محمد اقبال۔ لاہور

۳۰ر مارچ ۱۹۲۸ء

## ۷۹

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے۔ مجھے درد گردہ کی شکایت رہی جس کا سلسلہ ایک ماہ سے اوپر جاری

رہا ۔ جدید طبی آلات کے ذریعہ گردہ کا معائنہ کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ گردہ میں پتھری ہے اور کہ عملِ جراحی کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے مگر تمام اعزّہ اور دوست عملِ جراحی کرانے کے خلاف ہیں درد فی الحال رُک گیا ہے اور میں حکیم نابینا صاحب سے علاج کرانے کی خاطر آج شام دہلی جا رہا ہوں ۔ وہاں چند روز قیام رہے گا ۔ اس کے بعد تبدیلیٔ ہوا کے لیے چند روز کے لیے شملہ میں قیام کروں گا ۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ اس طویل علالت نے مجھے کمزور کر دیا ہے ۔ البتہ درد کا افاقہ ہے ۔ سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے ۔ والسلام

آپ کی ہمدردی کا تہِ دل سے مشکور ہوں ۔

مخلص

محمد اقبال ۔ لاہور

۱۵ر جون ۱۹۲۸ء

# مکتوباتِ گرامی

۱۔ مرشدِ گرامی۔ تسلیم۔ مَیں بہت خوش ہُوا۔ آپ نے میری پندار اور میرے نفسِ امارہ کو کُچل ڈالا۔ مَیں آپ کو اپنا پیر و مرشد خیال کرتا ہوں۔ حضرت خان صاحب بہادر مرشدِ کامل وہی ہوتا ہے جو مرید کے پندار کو محو کر دے۔ مَیں کسی دوسرے کو کچھ کلام بھیجتا ہوں تو وہ بے معنی تعریف کے پُل باندھ دیتا ہے حالانکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جس کلام کی تعریف کی گئی ہے وہ تعریف کے قابل نہ تھا۔ انشاء اللہ اس غزل کی نظرِ ثانی کی جائے گی اور اس کو دانشمند پسند بنا دیا جائے گا۔ مَیں دعا کرتا ہوں کہ آپ کو صحت ہو جائے اور میں آپ کو بستی دانشمنداں میں خوش اور تندرست دیکھوں۔

راقم گرامی

۲۔ جناب خان صاحب بہادر۔ تسلیم۔ مجھے آپ کا خط مل گیا۔ مَیں آپ کی عنایاتِ قدیم اور نگاہِ گرامی نواز کا مرہون ہوں۔ انشاء اللہ چند روز تک جالندھر آؤں گا۔ آپ کی خدمتِ عالی میں بسر و چشم حاضر ہوں گا۔ مَیں لاہور میں بیمار ہو گیا تھا۔ حضرت ڈاکٹر اقبال کے تکلفات کا درجہ افراط کو پہنچ گیا تھا۔ ناتواں سال خوردہ گرامی ان کی مہربانیوں کی تاب نہ لا سکا۔ بیماری کی حالت میں ہوشیار پور آ گیا۔ جالندھر نہ ٹھہر سکا۔ چند شعر ایک غزل کے بھیجتا ہوں۔ حافظ پر لکھی ہے۔

والسلام۔ کلام گرامی

بہار آمد و گلبانگِ نائے و نوش آمد
بیار بادہ کہ نوروزِ چشم و گوش آمد
نگاہِ مغبچہ آں بادہ ریخت در ساغر
کہ عقل مست شد و بے خودی بہوش آمد
زحسنِ دلکش و آوازِ دلبریاش مپرس
کہ گوشِ اہلِ نظر چشم و چشم گوش آمد

سحر بکوئے خودم دید و خندہ زد کہ دگر
ستارہ سوختۂ امتحان دوش آمد
چناں برشکِ جگر گوں ز دیدہ می چکدم
کہ دامنِ مژہ دامانِ گل فروش آمد
مرا ز مرشدِ شیراز نکتہ ایے یاد است
کہ سُست عہد بود ہر کہ سخت کوش آمد
مریدِ پیرِ مغانم کہ گفت و خوش می گفت
کہ ہاں گرامیِ ما رندِ خرقہ پوش آمد

راقم گرامی

(نوٹ ۔ مطبوعہ دیوان میں ۱۴ اشعار ہیں)

۳ ۔ خان صاحب بہادر ۔ عید مبارک ۔ تسلیم ۔ آپ کا گرامی دہلی سے جالندھر آگیا۔ آپکے باغ کے آموں کی کشش گرامی کے واسطے کہربا بن گئی ۔ ورنہ کہاں گرامی اور کہاں جالندھر اور کہاں خان صاحب نیاز الدین کے باغ کے آم ۔ گرامی دہلی میں تھا ۔ شیخ فضل محمد صاحب تحصیلدار دہلی کو ملنے گیا ۔ وہاں آپ کے فرزندِ ارجمند بہار خان صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ گرامی بہت خوش ہُوا اور یہ مصرع زبان پر آگیا ؎ غلام آں پدرم من کہ ایں پسر دارد

خان صاحب ۔ آپ کی سالِ گذشتہ کی دعوت نے گرامی کو دہلی سے جالندھر کھینچ لیا ۔ اپنے باغ کے لاجواب آم بھیج دیجیے ۔ گرامی چشم براہ ہے ۔

راقم
شیخ غلام قادر گرامی
شاعرِ خاص حضور نظام

۴ ۔ خان صاحب ۔ تسلیم ۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کا خط پڑھ لیا ۔ آپ سے مِل کر باتیں ہوں گی ۔ آپ مالیر کوٹلہ سے آئیں گے ۔ گرامی آپ کے حکم کی تعمیل کو بسر و چشم حاضر ہے ۔ مالیر کوٹلہ سے آتے ہی مجھے اطلاع دیجیے ۔ کونین استعمال کر رہا ہوں ۔

گرامی سقیم

حضرت مجدد ڈاکٹر صاحب کو دیکھنے کو جی بہت چاہتا ہے ۔ انشاء اللہ دونوں چلیں گے ۔

۵۔ خان صاحب بہادر۔ تسلیم۔ سبحان اللہ کیا اچھا شعر نکلا ہے ؎

قیس از فکرِ مے و جامِ بلوریں مست است
چشمِ آں فاقہ نشیں بادہ و جام است ایں جا

تشبیہہ کامل ہے۔ آنکھ جام بھی ہے اور بادہ بھی۔ نہایت درجہ کی بلاغت ہے۔ لاجواب شعر ہے۔ الہام ہے ؎

حرفِ شوخے کہ بدلبر سرِ افلاک بگفت
بر درِ مے کدہ مشہورِ عوام است ایں جا

اگر بگفت کا فاعل ظاہر کر دیں تو بلاغت نہیں رہتی۔ اُس بگفت کا فاعل دلِ درد آشنا دلی جانتا ہے اور یہی بلاغت ہے۔ حافظ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں ؎

سرِّ خدا کہ عارفِ سالک بہ کس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

عارفِ سالک خاتم المرسلینؐ۔ بادہ فروش حضرتِ ساقیِ کوثر علیہ السّلام معراج کی رمز اس شعر میں مضمر ہے۔ حضرت خان صاحب۔ جو کچھ میں نے آپ کے کلام کی نسبت لکھا ہے صحیح لکھا ہے۔ بلا مبالغہ لکھا ہے۔ مَیں حیرت میں ہوں کہ دوسروں کی انتہا آپ کی ابتدا ہے ؎

دادِ اُو را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

غالباً اسلامیہ سکول کے جلسے میں آپ تشریف لادیں گے۔

راقم گرامی

۶۔ خان صاحب بہادر۔ تسلیم۔ کیوں آپ گرامی کو پندار کی کشاکش میں پھنساتے ہیں۔ جناب ڈاکٹر صاحب کی بالغ نظری اور عالی دماغی کی دلیل ہے کہ انہوں نے گرامی کے شعر کو پسند کیا ہے۔ وہ فلاسفر ہیں۔ حکیم ہیں۔ گرامی ایک دقیانوسی جہل کا مریض ہے۔ آپ گرامی کی طرف سے اُن کی خدمت میں شکریہ ادا کر دیجیے ؎

عنوانِ یک نگاہِ تو آشوبِ عالمے
تمہیدِ نیم خندِ تو مرگِ ولایتے

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں میری طرف سے لکھ دیجیے کہ اس شعر کو مطلع بنا دیں۔

اگر وہ مطلع بنا دیں گے تو وہ مطلعِ آفتاب ہوگا۔ روپیہ ابھی تک نہیں وصول ہُوا۔ بفضلِ خدا آ جائے گا۔ رازقِ مطلق ہے۔ نواب عزیز جنگ بہادر حیدر آباد میں گرامی کے دوست ہیں۔ غریب خانۂ گرامی پر تشریف لایا کرتے ہیں۔

سقیم گرامی

۷۔ خانصاحب بہادر۔ تسلیم۔ آپ کا ایک مضمون خلافت پر میری نظر سے گذرا۔ بالغ نظرانِ ادا فہم نے پسند کیا۔ مَیں لاہور ۱۲ روز رہا۔ ۴ روز اچھا رہا۔ ۸ روز بیمار۔ یعنی چار روز عالمِ وجود میں جلوہ افروز رہا۔ آٹھ روز گوشہ گیرِ پنہاں خانۂ عدم۔ صحیح گیا تھا۔ سقیم آیا۔ ڈاکٹر اقبال کی مسند نشینی کے بعد لاہور کی زمین گرامی کے واسطے آسمان بن گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی عنایات اور محبت کی کوئی انتہا نہیں۔

آج حیدر آباد دکن سے میرے پاس ایک خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ خان صاحب فخر الدین خاں بہادر فنانشل سیکرٹری پندرہ روز کی رخصت پر وطن کو روانہ ہو گئے ہیں۔ کیا آپ مہربانی فرما کر مجھے بواپسی ڈاک اطلاع دے سکتے ہیں کہ خانصاحب بہادر فنانشل سیکرٹری سرکارِ آصفیہ تنہا آئے ہیں یا اُن کے بال بچے بھی اُن کے ساتھ ہیں۔ مَیں خانصاحب بہادر کو ملنا چاہتا ہوں۔ کیا دھوگڑی میں جا کر ملوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ مفصّل حالات سے اطلاع دیں گے۔

سقیم گرامی

(نوٹ۔ فخر الدین خاں نواب فخر یار جنگ بہادر دھوگڑی۔ ضلع جالندھر کے سربرآوردہ اور معروف لودھی خاندان سے تھے۔ وزارت فنانس سے پنشن یاب ہوئے تھے)

۸۔ ۶ رمضان المبارک ۳۸ ھجری۔ ہوشیار پور۔

خدمتِ عالی خانصاحب بہادر۔ تسلیم۔ آپ کا کارڈ مجھ کو مِل گیا۔ بہت اچھا شعر آپ نے لکھا ہے۔ ہاں ایک مشورہ دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ بجائے تُربت کے یُوں کر لیجئے۔ "فرض داند طوفِ کویت ایں دلِ شیدائے من" یا اس طرح کیجئے۔ فرض داند طوفِ یثرب ایں دلِ شیدائے من۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ بجائے میرے آپ اس پر ایک نعت لکھیے۔ گرامی اور دانشمند دونوں ایک ہیں۔ ہم وطن ہیں۔ دراصل گرامی شاگرد ہے بستی دانشمند کا۔ آپ ڈاکٹر صاحب کا جواب لاجواب ہیں۔ ضرور نعت لکھیں۔

مَیں بفضلِ خدا امروز و فردا حیدر آباد جانے والا ہوں۔ جالندھر میں آپکو ملوں گا۔ خان صاحب امیر الدین خان بہادر سے ہوشیار پور میں ملاقات ہوئی۔ مگر گرامی اس ملاقات سے خوش نہ ہُوا۔ چند منٹ ملاقات رہی۔ گرامی اُن کے مسلسل سخنانِ دلآویز کا آرزومند ہی رہا۔

سقیم گرامی

۹۔ شب برات، ہوشیار پور۔

خدمتِ عالی خان صاحب۔ تسلیم۔ بہت اچھا شعر ہے۔ دوسرا مصرعہ ذرا کمزور ہے یوں کر دیجئے۔

بہ کشورے کہ کند دختِ رز جہانبانی
ہزار خندہ زند کفر بر مسلمانی

آپ اگر دل سے چاہتے کہ گرامی جالندھر میں اگر رہے تا ممکن تھا کہ میں ہوشیار پور میں رہتا۔ دراصل جالندھر کے مشاہیر کی فطرت فطرتِ ازلی کا آئینہ ہے۔ بابو صاحب نے اس کو ثابت کر دیا ہے ــــ وطن میں پیغمبر کی قدر بھی نہیں ہوتی

رباعی

بر چرخ ستارہ جستجوئے دارد
ہر ذرۂ خاک آرزوئے دارد
دارد ہر رہ نورد شورے در سر
پیداست کہ ہر دماغ بوئے دارد

رباعی

دادند مرا براتِ غم من چہ کنم
در دستِ دگر بود قلم من چہ کنم
دی آوردند مو کشانم بہ وجود
بردند امروز در عدم من چہ کنم

رباعی

ہر مور دماغِ اجتہادے دارد
ہر ذرہ نگاہِ کیقبادے دارد
در عقدۂ کارِ خویش برخویش مپیچ
بکشائے کہ ہر گرہ کشادے دارد

خدمت عالی خانصاحب بہادر امیر الدین خاں سلام
گرامی سقیم

(نوٹ۔ دیوان میں یہ رباعیات نہیں ہیں)

۱۰۔ ہوشیار پور

عالی خدمت خان صاحب بہادر۔ تسلیم۔ آپ کا کارڈ مجھے مل گیا۔ سبحان اللہ آپ نے کیا اچھا مطلع لکھا ہے ؎

نالہ شوریست کہ از گلشنِ دل می خیزد
آہ دُودیست کہ از روزنِ دل می خیزد

خان صاحب بہادر۔ آج کل میرا مزاج کچھ اچھا نہیں رہتا۔ بخار میں مبتلا ہوں۔ میرا ارادہ اور آپ کا صحیح خیال خط دھوانی میں ہیں۔ چند روز تک جالندھر آتا ہوں۔ ممکن ہے خان صاحب بہادر امیر الدین خان صاحب کے ہاں ایک دو روز کے واسطے ٹھہروں۔ آپ کی خدمت میں بسر و چشم حاضر ہوں گا۔ الحمد اللہ آپ کو آرام ہے۔

اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو وہی مکان بابو رحمت اللہ صاحب سے ہم کو کرایہ پر لے دیجئے۔ بہ نسبت میری تحریر کے آپ کا اثر زیادہ ہوگا۔ دو چار ماہ جالندھر میں رہوں گا۔ اور آپ کے حکم کی تعمیل کی جاوے گی۔

ایک غزل بھیج دی ہے۔ حضرت امیر الدین خاں بہادر کو ضرور دکھلا دیجئے۔ اور ان کی رائے صحیح سے مجھے اطلاع دیجئے۔ جالندھر کی آب و ہوا میرے مزاج کی آشنا ہے۔ میں اچھا تھا۔ یہاں بیمار رہتا ہوں ؎ اس آب و ہوا شود علاجم
مادر زادے شود مزاجم

راقم گرامی

ہاں ایک کام گرامی کا اور ہے۔ وہ یہ کہ ایک خط خان صاحب بہادر فخر الدین خان معتمد فنانس دولتِ آصفیہ اور عنایت فرمائیں۔ گرامی کو لکھ دیجئے اور ان کی خدمت میں بھیج دیجئے جس کا مضمون یہ ہو کہ سالخوردہ از کار رفتہ گرامی کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ بوڑھا گرامی بیمار رہتا ہے۔ دو تین ماہ تک آجائے گا۔ جہاں چار سال پنجاب میں رہا دو چار مہینے اور رہنے دیجئے۔ اگر زندہ رہا حیدر آباد میں آجائے گا۔ ضرور اس مضمون کا ایک خط لکھ کر بھیج دیجئے۔ گرامی

(نوٹ: فخر الدین خاں دھوگڑی۔ جالندھر کے خان بہادر غلام احمد خاں مشیر مال ریاست کشمیر کے فرزند اکبر تھے۔ ہمارے ماموں تھے)

۱۱۔ خدمت خان صاحب بہادر۔ تسلیم۔ آپ کا خط مجھے مل گیا۔ کیا دلربا مطلع ہے ؎

سرد هم نالہ بر امید نگا ہے گا ہے
گریہ فرصت چو دہد می کنم آہے گاہے

میں نے لکھ دیا تھا کہ دوسروں کی انتہا آپ کی ابتدا ہے۔ بہت اچھی غزل لکھی ہے۔ واہ حضرت واہ۔ آپ کرنال جاتے ہیں اور گرامی کو جالندھر آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ آخر حکم کی تعمیل کی جاوے گی۔ جالندھر کی رہائش اختیار کی جاوے گی ؎

آں آب و ہوا شود علاجم
مادر زادے شود مزاجم

گرامی بیمار رہتا ہے اور یہ بیماری مرگ کا مقدمتہ الجیش ہے۔ میرے ایک دوست نے سچ کہا ہے کہ لوگ بیاہ کر کے جورُو کو لاتے ہیں۔ گرامی کو گرامی کی جورُو بیاہ کر لے گئی ؎

شد غلامے کہ آبجو آرد
آبجو آمد و غلام ببرد

خدمت حضرت ڈاکٹر سر اقبال گرامی کا سلام کہہ دیجئے گا۔ والسلام گرامی

خانصاحب بہادر۔ غزل نہایت دلآویز اور دل فریب ہے۔ میرے دوست ڈاکٹر سر اقبال کو ضرور سنایئے۔ گرامی آج کل بیمار ہے ؎

کہ بیمار است رائے مرد بیمار

۱۲۔ ہوشیار پور

حضرت خان صاحب بہادر۔ تسلیم

سوختیم و سوزشِ ما برکسے ظاہر نشد
چوں چراغانِ شبِ مہتاب بے جا سوختیم

اس پر آپ نے بہت اچھے شعر نکالے ہیں۔ میں پڑھ کر بہت خوش ہُوا۔

چشمِ آتش بارِ ما چوں قطرہ در جیحوں فگند
ناخدا و لنگر و کشتی و دریا سوختیم

واہ سبحان اللہ کیا اچھا کلام ہے

حضرتِ فرہاد با ما چوں بہ شب آہے کشید
صبحدم گل گرد یعنی کوہ و صحرا سوختیم

ہیچ رحمے نیست بر حالِ تباہِ ما نیاز
چوں چراغِ گورِ مسکیناں سراپا سوختیم

ایک سے ایک اچھا شعر ہے۔ والسلام۔ گرامی

۱۳۔ عالی خدمت خان صاحب بہادر۔ ڈپٹی نیاز الدین خاں۔ تسلیم

حضرت ڈاکٹر صاحب کا لاجواب شعر ہے۔ اور سنگلاخ زمین ہے۔ گرامی کا فکرِ سال خوردہ اس زمین میں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب مجدد ہیں۔ فلاسفر ہیں۔ ادب آموزِ ہند ہیں۔ گرامی ان کا دماغ کہاں سے لائے۔ دو تین شعر لکھتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمتِ عالی میں بھیج دیجئے۔ ان کی داد کو داد سمجھئے۔ دوسروں کی داد کو عین بے داد۔ راقم گرامی

اقبال

دی سالکِ مجذوب نہاں گفت بہ اقبال
آں نکتہ کہ با مومن و کافر نتواں گفت
ما خم کشِ دیرینۂ سر جوشِ الستیم
با ما سخن از شیشہ و ساغر نتواں گفت
منصور کہ مستانہ بر آمد بسرِ دار
خوش گفت کہ ہر نکتہ بہ ممبر نتواں گفت
آں طفل رہِ دل زد و رہزن نتواں گفت
در کعبہ زند آتش و کافر نتواں گفت
با دل شدگاں قصۂ محشر نتواں کرد
با سوختگاں حرف ز کوثر نتواں گفت

(نوٹ۔ دیوان میں ۱۳ اشعار ہیں)

۱۴۔ خان صاحب بہادر۔ تسلیم۔ وہ غزل بھیجتا ہوں۔ صوفی پسند ہے۔ فلاسفر پسند نہیں۔ آپ پسند فرمائیں۔ گرامی

# تعارف

یہ کام اہلِ علم و اہلِ قلم کا ہوتا ہے۔ آج کل ہر شخص عدیم الفرصت ہے اس لیے اپنی بے بضاعتی کے باوجود چند سطور لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

۱۹۵۷ء میں مجھے جسٹس ایس۔ اے رحمٰن مرحوم کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ مَیں نے عرض کیا کہ علامہ اقبالؒ کے ۹۷ خط میرے پاس ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ انہیں شائع کرا دیں۔ پیش لفظ لکھنے کی استدعا کی۔ ساتھ ہی مَیں نے عرض کیا کہ مولانا گرامی کے چند خطوط بھی جن کا تعلق بعض مکتوبات سے ہے، اگر ہم بطورِ ضمیمہ شامل کر لیں تو کوئی حرج نہیں۔ انہوں نے اس بات سے اتفاق نہ کیا۔

اُن دنوں خان کریم احمد خاں جو ہمارے ماموں تھے، بزم اقبال لاہور کے سیکرٹری تھے۔ جج صاحب مرحوم نے اُن سے ذکر کیا کہ بزم کے لیے اگر یہ خطوط مل جائیں تو بہت اچھا ہو، چنانچہ کریم احمد خاں مرحوم میرے پاس آئے اور خط حاصل کرنے کی بات کی اور کچھ معاوضہ بھی پیش کیا۔ مَیں نے عرض کیا کہ اُن سے پہلے اقبال اکادمی کراچی کے ڈاکٹر رفیع الدین آچکے ہیں اور وہ بھی رقم پیش کرتے تھے۔ بزرگوں کی نشانیاں خاندان کا اثاثہ ہیں ان کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی۔ خدا دینے کو جی نہیں چاہتا۔

خان صاحب دوبارہ آئے اور فرمایا کہ بزم کو خط شائع کرنے کے لیے دیدوں۔ یہ بُری بات نہ تھی۔ مَیں نے جملہ خطوط اُن کے حوالہ کر دیے۔ چنانچہ خطوط شائع ہو گئے اور "مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں مرحوم" کے نام سے کتابی شکل میں سامنے آ گئے۔ "پیش لفظ" مکاتیب کی روشنی میں لکھا گیا اور مکتوب الیہ کے بارے میں معلومات بہم نہ پہنچائی جا سکیں۔ بعد میں متعدد اصحاب نے بزم سے دریافت کیا کہ جس شخص کو حضرت علامہ اقبالؒ خط لکھتے ہیں، مختلف مضامین پر تبادلۂ خیال ہوتا ہے اور علامہ ہر خط میں پاسِ ادب ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں، آخر وہ شخص کون

تھا۔ محض رئیس ہونا تو کوئی خوبی نہ تھی۔ آخر مکتوب الیہ کا کوئی علمی اور ادبی پایہ ضرور ہوگا۔ یہ شکوہ اب تک ہے اور بزم کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔

نیز جن لوگوں کے نام مکاتیب میں آئے اُن کا بھی تعارف نہیں کرایا گیا۔ اس کے بغیر مکاتیب کی پوری اہمیت معلوم نہیں ہوتی۔

مَیں نے اس ایڈیشن میں والدِ مرحوم کے مفصّل حالات لکھے ہیں۔ مکاتیب میں جن لوگوں کے نام آئے ہیں، حاشیہ میں اُن کا بھی تعارف کرایا ہے۔ گرامی کے خطوط بھی شامل کر دیے ہیں کہ دلچسپی کا باعث بنیں۔

جن اصحاب نے اس کام میں میری حوصلہ افزائی کی ہے مَیں ان کا ممنون ہوں۔

۱۵/۵/۸۴ نفیس الدین احمد ایم۔اے (علیگ)
B - ۹۰ اپر مال، لاہور

# بستی دانشمنداں جالندھر

مکتوب الیہ کا وطن تھا۔ یہ بستی جالندھر شہر سے دو میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ دانشمند ترکی النسل قبیلہ ہے۔ مشرقی اناطولیہ پر انہوں نے ایک سو سال تک حکومت کی تھی۔ محاربات صلیبی میں بھی انہوں نے حصہ لیا تھا۔ سلجوقی سلطان ارسلان نے ان سے علاقہ چھین لیا تو یہ لوگ منتشر ہو گئے۔ کچھ افغانستان کی طرف نکل گئے اور وہاں سے جنوبی وزیرستان میں آگئے۔ کانی گرم قصبہ میں رہے اور ۱۰۲۶ ہجری بہ عہد جہانگیر بادشاہ ہندوستان چلے آئے اور قوم کے نام پر بستی آباد کی۔ سرحد کے مشہور بزرگ بایزید پیر روشان اسی خاندان سے تھے۔ ان کی ولادت بھی جالندھر شہر میں ہوئی تھی۔

کچھ لوگ جنوبی اناطولیہ چلے گئے اور ترکیہ کے شہر ماسیا، اگوچی اور مینے جن میں آباد ہیں۔ ہندوستان میں اور کوئی دانشمندی خاندان نہیں تھا۔

# مکتوب الیہ خان محمد نیاز الدین خاں

والد مرحوم ۱۸۶۵ء میں بستی دانشمنداں، جالندھر کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مشن ہائی سکول جالندھر سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں لا، کا داخلہ لیا۔ اُن دنوں لا کالج کی دونوں جماعتیں گورنمنٹ کالج کی عمارت میں ہوا کرتی تھیں۔ اب جسے ایف۔ ای۔ ایل کہتے ہیں اس وقت مختاری کہلاتی تھی اور دوسری 'وکالت'۔ انہوں نے مختاری کا امتحان پاس کر کے جالندھر میں وکالت کا کام شروع کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد نائب تحصیلدار بھرتی ہو گئے۔ پھر تحصیلدار، افسر مال، افسر خزانہ، سب جج، سینیئر سب جج اور قائم مقام سیشن جج بھی رہے۔ اُس زمانہ میں سول اور انتظامیہ الگ الگ نہ تھیں۔ ۱۹۱۴ء میں سینیئر سب جج کے عہدہ سے پنشن یاب ہوئے۔

---

سر سید احمد خاں کی علی گڑھ تحریک سے ابتدا ہی سے وابستہ رہے۔ جب سر سید نے پنجاب کا دورہ کیا تو اُن کے ساتھ رہے۔ چنانچہ لدھیانہ، جالندھر اور لاہور میں سر سید کے جلسوں میں شرکت کی۔ سر سید کے سفر نامہ پنجاب میں ان کا ذکر آتا ہے۔ وقتاً فوقتاً علی گڑھ جاتے رہے اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کرتے رہے۔

مسلم لیگ کے ممبر تھے۔ جب سائمن کمشن کی وجہ سے مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی یعنی جناح لیگ اور شفیع لیگ تو یہ شفیع لیگ میں تھے۔ میاں محمد شفیع (بعد میں سر محمد شفیع) ان کے پرانے دوست تھے۔ حبیبیہ ہال میں شفیع لیگ کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ راقم بھی ساتھ تھا۔ علامہ اقبال اس لیگ کے سیکرٹری تھے۔

گھر میں نمبرداری، ذیلداری، سفید پوشی، کرسی نشینی، آنریری مجسٹریٹی اور میونسپل کمیٹی کی ممبری تھی۔ نمبرداری تو پاکستان بننے تک رہی۔ پنشن حاصل کرنے کے بعد "خدمت سرکار" سے لگاؤ نہ رکھا۔

مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ علم دوستی ہی کی وجہ سے علامہؒ سے رابطہ اور ملاقات شروع ہوئی۔ اخبار "وکیل" امرتسر، "مسلم آؤٹ لک" لاہور اور "معارف" اعظم گڑھ (یوپی) کے لیے مضامین لکھتے رہے۔ ایک فارسی کتاب کا ترجمہ بھی کیا اور اپنی زندگی کے حالات "حیاتِ بے ثبات" کے عنوان سے لکھے۔ یہ دونوں قلمی نسخے ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی نذر ہو گئے۔

۱۹۲۳ء میں نواب سر ذوالفقار علی خاں اور علامہ کے اصرار پر ریاست کنج پورہ (کرنال) میں بطور منیجر کام کیا۔

"پیامِ مشرق" کا اُردو میں منظوم ترجمہ کیا۔ علامہ کو بھیجا۔ انہوں نے پسند تو کیا مگر یہ فرمایا کہ شائع نہ کیا جائے ورنہ اصلی کتاب نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی۔

داغ دہلوی کے کلام نے بہت اثر کیا اور شعر کہنے کا شوق ہُوا۔ شعر کہتے تھے، کبھی علامہ اور کبھی مولینا گرامی کو بھیجتے تھے۔ اس کا ذکر مکاتیب میں آتا ہے۔ کلام اُردو اور فارسی میں ہوتا تھا۔ ایک بیاض تھی جو ۱۹۴۷ء میں بستی ہی میں رہ گئی۔ امام ابنِ تیمیہؒ کے ترجمہ شدہ رسالے منگواتے رہتے تھے۔ گھر میں اچھی خاصی تعداد کتابوں کی تھی۔ قرآنِ کریم کے تراجم، صحاحِ ستہ، امام غزالی، امام ابنِ تیمیہ، مولانا شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی کی تصانیف، فارسی کے تقریباً تمام شعرا کے دیوان، اُردو کے شعرا کے دیوان، تاریخ کی مشہور کتابیں، سوانح حضور رسالت مآبؐ، تفاسیرِ قرآنِ کریم اور علامہ کی کتابیں جو اس وقت تک چھپ چکی تھیں ان کے ذاتی کُتب خانے میں موجود تھیں۔

علامہ کے خطوط بڑی حفاظت سے رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ایک وقت میں یہ بے بہا خزانہ ہو گا۔ مکاتیب میں علامہ نے اس بات کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء کے اوائل میں بستی تشریف لائے۔ ہم لوگ سکول سے فارغ ہو کر گھر آئے تو علامہ کو اپنے مکان میں دیکھا۔ اس واقعہ کی قدر و قیمت ہمیں آج نظر آتی ہے۔ ہم سب اس پر فخر کرتے ہیں۔ والد نے اپنی حیاتِ بے ثبات میں لکھا تھا:

"لاہور میں ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹر رہتے ہیں۔ جب میں اُن کے پاس بیٹھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم کا دریا بہا چلا آ رہا ہے۔ عقل اس قدر علم اور حافظے پر حیران رہ جاتی ہے۔"

---

اولاد۔ نوبہار الدین خاں، ایم۔ اے۔ افتخار الدین احمد آثارِ قدیمہ حکومت پاکستان۔ نفیس الدین احمد ایم اے (علیگ)، فیروز الدین خاں بی اے ایل ایل بی کسٹم۔ ظہیر الدین خاں بی اے ایل ایل بی (پولیس)، انوار الدین خاں بی اے۔

بزمِ اقبال کے مطبوعہ مکاتیب میں لکھا ہے کہ انہیں کبوتروں کا بھی شوق تھا یہ بات نہیں تھی۔ اُن کے بڑے صاحبزادے نوبہار الدین خاں کبوتر رکھتے تھے اور نئی نسل بھی اُن کی کوششوں سے بنی۔ ان کا ذکر بھی مکاتیب میں ہے۔

مولانا گرامی سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ ایک دن مولانا نے پوچھا کہ بچے کیا پڑھ رہے ہیں۔ جواباً کہا کہ دو ایم۔اے ہیں اور دو بی۔اے ایل ایل بی اور دو چھوٹے ابھی سکول میں ہیں تو گرامی نے برجستہ کہا ؎

پدر را نازم و تعلیمِ ہر فرزند را نازم
نیاز الدین خاں آں خانِ دانشمند را نازم

گرامی بستی بھی تشریف لاتے تھے۔ ایک مرتبہ گرامی نے یہ شعر سُنا ؎

تمام عمر دعائے وصالِ اُو کردم
قبول شد نہ دُعایم، مگر خدا خُفت است

تو کہا ارے خان صاحب۔ یہ کیا کہا۔ اللہ نے عہدہ دیا۔ دولت دی اولاد دی اور اب بھی کہتے ہیں کہ خدا خُفت است۔

احباب میں علامہ کے علاوہ سر محمد شفیع۔ سر عبد القادر۔ سر محمد حیات خان نون (فیروز خان نون کے والد)، خان صاحب شیخ محمد نصیب بیرسٹر گورداسپور۔ رائے بہادر شنکر داس وکیل لائل پور۔ دیوان گیان ناتھ ای۔اے سی۔ مخدوم صدر الدین گیلانی سجادہ نشین خانقاہ موسیٰ پاک شہید ملتان سے مخلصانہ تعلقات تھے۔

سماع کا بہت شوق تھا۔ جالندھر کے مشہور میلہ راگ ہر بلب کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر تھے۔ ۱۰ جون ۱۹۲۹ء کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔

نفیس الدین احمد

# مکاتیبِ اقبال

## بنام

## خان محمد نیاز الدین خاں مرحوم

(بستی دانشمنداں۔ جالندھر)

(اسماءُ الرِّجال)

اور

دیگر احوال

مکتوب ۱ صفحہ ۱

سیّد ولی اللہ شاہ صاحب

۱۱۱۴ ہجری ــــ ۱۱۷۶ ہجری

عہدِ عالمگیری میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ کے مشہور عالم اور نقشبندی صوفی تھے۔ ہندوستان میں حدیث و تفسیر کی تعلیم کے بانی شمار ہوتے ہیں۔ قرآنِ مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا اور حدیث، دینیات اور علومِ صوفیہ کے مصنف تھے۔ احمد شاہ ابدالی کو کئی خط لکھ کر مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے آمادہ کیا۔ محدث دہلوی کے نام سے مشہور ہیں۔

مثنوی۔ مثنوی اسرارِ خودی

مکتوب ۲ صفحہ ۱

خواجہ حسن نظامی دہلوی، خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے سلسلہ سے منسلک تھے۔ "دین و دنیا" ایک رسالہ بھی نکالتے تھے۔ بے شمار لوگ ان کے عقیدت مند تھے۔ علامہؒ نے 'اسرارِ خودی' میں حافظ شیرازی پر تنقید کی تھی کہ حافظ کا کلام سکر آور ہے اور سعی کی بجائے ترکِ دنیا کی تعلیم دیتا ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے تنقید کی اور تصوّف کو عین اسلام ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ علامہ نے اسرارِ خودی کے دوسرے ایڈیشن سے حافظ کے متعلق جملہ اشعار حذف کر دیئے۔

منصور حلاج۔ عراق کی سرزمین میں بہت بڑے صوفی پیدا ہوئے۔ منصور اپنی قلبی کیفیات

پر قابو نہ رکھ سکا اور انا الحق کا نعرہ لگاتا رہا۔ جس کی وجہ سے اسے قابلِ دار سمجھا گیا۔

ابنِ جوزی، عبدالرحمان بن علی ۵۱۰ھ تا ۵۹۷ھ۔ بغداد میں پیدا ہوئے۔ حنبلی مذہب کے فقیہہ اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

مکتوب ۳ صفحہ ۳

حیدری صاحب، سر اکبر حیدری بمبئی کے رہنے والے تھے۔ نظام حیدر آباد دکن کی حکومت میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ وزیرِ ریلوے اور وزیرِ مالیات تھے۔ سرکار انگریزی میں بہت اثر و رسوخ حاصل تھا۔ نظام سٹیٹ ریلوے کے سلسلہ میں انگریزی کمپنی سے قبل از وقت جملہ سامان اور جائداد خریدنے کی تجویز پیش کی تھی۔ سیکرٹری فنانس نواب فخر یار جنگ بہادر کو اختلاف تھا۔ اخبارات میں بہت چرچا ہوا۔ کونسل نے مقدمہ نظام کو بھیج دیا۔ جنہوں نے منظوری دے دی۔ حیدر آباد ہی میں انتقال ہوا۔ بہت ذہین اور لائق انسان تھے۔ تقسیمِ ہندوستان کے بعد ان کے ایک فرزند بھارت کے ایک صوبہ کے گورنر بھی رہے۔

مکتوب ۵ صفحہ ۴

سراج الدین۔

کشمیر میں ریذیڈنٹ ہوا کرتا تھا۔ اس دفتر کے یہ میر منشی تھے۔

شیخ روزبیان بقلی۔ ابو محمد روزبیان۔ ۶۰۶ ہجری تا ۷۰۰ ہجری۔

شیراز کے ایک قصبہ بسا کے رہنے والے تھے اور قبیلہ دیالم میں سے تھے۔ انھوں نے صوفیوں کے حالات لکھے ہیں۔ خود شیراز کے مشہور صوفی تھے۔ سماع کے متعلق بہت لکھا ہے اور اس کی اقسام بتلائی ہیں۔ وجد کے بارے میں بھی لکھا ہے۔

محی الدین ابنِ عربی۔ ۵۶۰ ہجری تا ۶۳۸ ہجری

شیخِ اکبر کے نام سے مشہور ہیں۔ مرسیہ (سپین) میں پیدا ہوئے۔ بعد میں تیس برس شہر سیوسے میں رہے۔ پھر بلادِ مشرقیہ کی طرف آگئے۔ مکہ و موصل بھی گئے۔ بالآخر دمشق میں رہائش اختیار کی۔ چار سو کتابوں کے مصنف تھے۔

کشفی علم کی بنا پر مسئلہ وحدت الوجود یا توحیدِ وجودی (ہمہ اُوست) کا سلسلہ شروع کیا۔ بعض میں انہیں زندیق کہا گیا اور قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس نظریہ پر اعتقاد رکھنے سے شرعی احکام کی پیروی سرد مہری کا شکار ہو جاتی ہے اور قرآنی تعلیم و عمل نگاہ سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

امام ابن تیمیہ (۶۶۱ تا ۷۲۸ ہجری) نے جو ایک مشہور عالم تھے ابنِ عربی کے اس عقیدہ پر بہت سخت اعتراضات کیے تھے۔

ہندوستان میں اس فکر و فلسفہ پر امام ربّانی مجدّدِ الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی نے بڑی کڑی تنقید کی۔

مکتوبات کے دفتر دوم۔ حصّہ ششم۔ مکتوب اوّل میں اس مسئلہ پر جرحا کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ عالم عدم ہے اور اسماء و صفات کا عکس۔ اس عالم کا وجود اللہ تعالیٰ کی ایجاد ہے گویا ان کے تصور و تخیل کو ظاہر کیا گیا ہے اور وجودِ ظاہری دیا گیا۔ چونکہ عکس ہے ظاہری وجود ہے اور عدم سے تعلق ہے اس لیے طبعی طور پر اس میں خرابی ظاہر ہوتی۔ عینِ ذات تو ہر قسم کی خرابی سے پاک ہے۔ اس لیے یہ عالم ظاہر اور چیز ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ اور۔ ایک اصل اور دوسری اصل کے عکس کا وجود۔ دونوں ایک نہیں ہو سکتے۔ اگر بوجہ غلبۂ محبت کسی کو محبوب کے سوا اور کوئی چیز نظر نہ آئے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی اور شے کا وجود ہی نہیں۔ روحانی ترقی میں یہ ایک نچلا مقام ہے۔ آگے بڑھ کر مخلوق و خالق الگ الگ نظر آتے ہیں۔

مکتوب ۶ صفحہ ۵

نواب سر ذوالفقار علی خاں

ریاست مالیر کوٹلہ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لاہور میں کوئینز روڈ پر کوٹھی 'زرفشاں' میں رہتے تھے۔ انجمن حمایت الاسلام لاہور اور اسلامیہ کالج لاہور سے تعلق تھا۔ شیر شاہ سوری پر انگریزی میں ایک کتاب کے مصنف بھی تھے۔ مسلم لیگ کے ممبر تھے اور ۱۹۲۵ میں جب لیگ دو حصوں (یعنی جناح لیگ اور شفیع لیگ) میں بٹ گئی تو یہ شفیع لیگ میں تھے اور سالانہ اجلاس میں جو حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج لاہور میں ہوا تو استقبالیہ کمیٹی کے صدر رہے۔ علامہؒ کے بہت گہرے دوست تھے۔

چودھری شہاب الدین

سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اور لاہور میں وکالت کرتے تھے۔ کئی سال تک لاہور کیسز قانونی رسالہ نکالتے رہے۔ پنجاب اسمبلی کے صدر رہے۔ انگریزی سرکار کی طرف سے انھیں "سر" کا خطاب ملا تھا۔

میاں مبارک علی

جالندھر کے رہنے والے تھے۔ علم دوست بزرگ تھے اور بڑا عمدہ کتب خانہ بنایا تھا۔ ان

کی وفات کے بعد اکثر کتابیں لوگ لے گئے۔ یہی کتب خانہ تھا جس کے دیکھنے کی علامہ کو خواہش تھی۔ مشہور طبیب بھی تھے۔

امام غزالی۔ ۴۰۵ ہجری یعنی ۱۰۵۸ء تا ۵۰۵ ہجری مطابق ۱۱۱۱ء۔ ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی۔ مشہورِ زمانہ عالم تھے فلسفہ، تصوف، علم کلام، تفسیر، اصول وغیرہ پر کتابیں لکھیں۔ مشہور کتابیں: تہافتہ الفلاسفہ۔ احیاءُ العلوم الدین وغیرہ ہیں۔

مکتوب ۷ صفحہ ۶

مولوی اشرف علی۔ تھانہ بھون یو۔ پی کے رہنے والے تھے۔ اسّی کتابوں کے مصنف تھے۔ مسلم لیگ کے حامی تھے۔ ان کی تصنیفات کروڑوں کی تعداد میں چھپ چکی ہیں مگر کسی کتاب پر بھی اُنھوں نے کبھی رائلٹی طلب نہیں کی۔

مکتوب ۸ صفحہ ۷

مولانا گرامی۔

شیخ غلام قادر۔ فارسی کی تعلیم بستی دانشمنداں (جالندھر) کے مشہور اُستاد محمد ابراہیم خاں سے پائی تھی۔ ابتداء میں "مستی" تخلص کرتے تھے۔ بعد میں استاد کے کہنے پر تخلص "گرامی" کر لیا۔ فارسی میں اشعار کہتے تھے۔ حیدر آباد دکن چلے گئے۔ نواب محبوب علی خاں نظام دکن فارسی شعرا کی قدر کرتے تھے۔ گرامی بھی وظیفہ خوار بن گئے اور وہاں کے دستور کے مطابق وظیفہ خوار وہاں رہے یا نہ رہے اُسے ماہانہ رقم برابر ملتی رہتی تھی۔ ایرانی شعرا سے مقابلہ ہوتا رہتا تھا۔ آخری کئی سال جالندھر اور ہوشیار پور میں گذارے۔ پھر حیدر آباد نہیں گئے۔

مثنوی رُموزِ بے خودی، کے دیباچہ میں علامہ ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ "بعض اشعار کی زبان اور طرزِ بیان سے متعلق قابلِ قدر مشورہ ملا"۔ مکتوبات میں ان کا ذکر بار بار آتا ہے۔

دوسری بار گرامی ۲ر فروری ۱۹۲۲ء کو مکتوب الیہ (محمد نیاز الدین خاں) کے پاس بستی دانشمنداں گئے۔ اُن دنوں کالج بند تھے اور مکتوب الیہ کے بچے گھر آئے ہوئے تھے۔ گرامی اپنے اشعار سناتے رہے۔ دوپہر کا کھانا کھایا۔ جنوب سے کالی گھٹا اٹھی تو گرامی بے قرار ہو گئے کہ خان صاحب مجھے جلدی شہر بھیج دو۔ ایک لڑکے نے کہا مولانا شعروں میں آپ اس قدر بہادری اور ہمت کا ذکر کرتے ہیں اور اب کالے بادل دیکھ کر گھبرا گئے۔ کہنے لگے۔ برخوردار وہ شاعری ہے اور یہ حقیقت ہے۔

مجموعہ کلام شائع ہو چکا ہے۔ کلام رنگینی و حلاوت میں بڑے بڑے فارسی شعرا کے مقابل ہے۔

مکتوب ۱۰ صفحہ ۸

اکبر الٰہ آبادی۔ عدلیہ سے منسلک تھے۔ سیشن جج کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ انہیں طرزِ کہن کو بدلتے دیکھنا گراں گذرتا تھا۔ سرسید سے اختلاف رکھتے تھے۔ اشعار میں مزاح۔ طنز ان کا خاصۂ کلام تھا۔ انگریزی تعلیم کے مخالف تھے۔

مکتوب ۱۳ صفحہ ۱۱

شیخ عمر بخش۔ قصبہ خان پور متصل شہر ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ رہائش شہر میں ہی تھی۔ وکالت کرتے تھے اور اسلامی انجمنوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ پھر لاہور منتقل ہوئے اور سالہا سال مشن روڈ کی ایک کوٹھی میں رہے۔ کسی زمانہ میں کلکتہ میں کاروبار کرتے تھے۔ ایک کتاب "میزانِ عدل" کے مصنف تھے۔ یہ ایک فوجداری مقدمہ کی تاریخ تھی۔ لالہ ہرکشن لال مشہور سرمایہ کار سے کاروباری تعلق تھا۔ لالہ کا سورج ڈوب گیا اور اکثر ہندو دوست انہیں چھوڑ گئے مگر شیخ عمر بخش نے ساتھ نہ چھوڑا۔ آخر میں مائی لاڈو کی مسجد کے نزدیک (نزد بھارت بلڈنگ) کے ایک حصہ میں مقیم رہے۔ انتقال ہوشیار پور میں ہوا اور خانقاہ حسن رسول نما بجوار طہ (متصل شہر ہوشیار پور) میں دفن ہوئے۔ گورنمنٹ کالج کے پرانے گریجوایٹ تھے۔

مکتوب ۱۴ صفحہ ۱۲

خواجہ دل محمد۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر تھے۔ پرنسپل بھی رہے۔ میونسپل کمیٹی لاہور کے ممبر بھی رہے۔ خواجہ دل محمد روڈ اسی زمانہ کی یادگار ہے۔ شعر و سخن کا ذوق تھا۔ خود بھی شاعر تھے۔ بخوش الحان تھے۔

مکتوب ۱۴ صفحہ ۱۳

مکتوب الیہ کے بڑے صاحبزادے نوبہار الدین خاں کو کبوتروں کا بہت شوق تھا۔ دہلی میں ملازم تھے۔ وہاں بھی کبوتر ساتھ لے جاتے تھے۔ ایک نئی نسل بھی انہوں نے تیار کی۔ اس پرندے کا رنگ بالکل سفید تھا۔ سر کچھ کچھ سرخ تھا۔ اس لیے سرخ سرے کہلاتے تھے۔ بدن ہلکا اور خوبصورت۔ اڑان بہت تھی۔ پنجاب بھر میں مشہور تھے۔

امیر الدین خاں۔

مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ جالندھر میں چوٹی کے وکلاء

ان کا شمار ہوتا تھا۔ ریٹائرڈ چیف جسٹس بشیر الدین خاں کے والد تھے۔ خوش گفتار و خوش لباس تھے۔

مکتوب ۱۷ صفحہ ۱۳

ڈاکٹر عبدالرحمان بھوپالی۔ انہوں نے دیوانِ غالب کی شرح لکھی تھی۔ ان کا تحریر کردہ "مقدمہ دیوانِ غالب" اُردو کے تنقیدی ادب میں آج بھی ایک لافانی یادگار ہے۔

مکتوب ۲۳ صفحہ ۱۶

حکیم محمد اجمل خاں۔ دہلی کے مشہور طبیب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قومی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔ جب امان اللہ خاں والیِ کابل یورپ جارہے تھے۔ انہوں نے علامہؒ اور حکیم صاحب کو لکھا تھا کہ بمبئی میں ان سے ملیں۔ علامہ نے بادشاہ کو کابل سے غیر حاضری کے خطرات سے شاہی خاندان کے ایک فرد کے ذریعہ جو میو ہسپتال میں زیرِ علاج تھا آگاہ کر دیا تھا۔ علامہؒ تو بمبئی نہ گئے۔ حکیم صاحب گئے اور آ کر علامہ کو اپنے ردِ عمل سے آگاہ کیا۔ امان اللہ خاں کے مستقبل کے بارے میں علامہ کے خدشے درست ثابت ہوئے۔

مکتوب ۲۶ صفحہ ۱۹

مارشل لا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد امان اللہ خاں والیِ کابل نے کچھ انگریزی علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اپنے آپ کو بادشاہ کہلانا شروع کیا تو گورنمنٹ آف انڈیا نے رولٹ ایکٹ پاس کر دیا جو بہت سخت تعزیری قانون تھا۔ ملک بھر میں احتجاج شروع ہوا۔ قصور اور گوجرانوالہ میں عوام کے ہجوموں نے اسٹیشن کو آگ لگادی۔ ریلوے لائن کو نقصان پہنچایا۔ اس طرح کئی جگہ ناخوشگوار واقعات ہوئے۔ پنجاب کلب میں اس وقت کے لیفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اوڈوائر نے اکابرینِ لاہور کے مشورہ کے خلاف مارشل لا لگادیا۔ بہت سختی کی گئی۔ سرِ عام برہنہ جسم پر بید مارنے کی سزا عام تھا۔ جلیانوالہ باغ امرتسر کا حادثہ اسی سلسلہ کی کڑی تھا۔ جہاں جنرل ڈائر نے ایک جلسہ پر فائرنگ کرادی تھی۔ مارشل لا ختم ہونے پر لارڈ ہنٹر کی زیرِ قیادت انکوائری کمشن بیٹھا۔ اس میں مسلمان اور ہندو ممبر شامل تھے۔ اوڈوائر عہدے پر برقرار رہا۔ جنرل ڈائر کو واپس بھیج دیا گیا۔

مکتوب ۲۹ صفحہ ۲۱

پنشن بند ہونا۔

گرامی کے حیدر آبادی دوستوں نے کئی بار انہیں لکھا کہ حیدر آباد آ جائیں مگر گرامی جب سردیاں ہوتیں تو کہتے گرمیوں میں آؤں گا۔ جب گرمیاں ہوتیں تو کہتے سردیوں میں آؤں گا۔ اُن لوگوں نے

اکاؤنٹنٹ جنرل سے کہا کہ پنشن نہ بھیجو۔ گرامی تنگ آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد نواب فخر یار جنگ بہادر سیکرٹری فنانس حیدر آباد دکن اپنے آبائی گاؤں دھوگڑی (ضلع جالندھر) آئے تو گرامی انہیں جا کر ملے۔ نواب صاحب نے کہا کہ آپ کے دوستوں نے یہ قدم اُٹھایا ہے۔ آپ حیدر آباد آ جائیں۔ گرامی نے کہا اگلے سردیوں میں ضرور آؤں گا اور یہ بھی کہا کہ دوستوں سے کہہ دیں کہ گرامی آفتاب است ولیکن لب بام است ایں جا۔ پنشن واگذار ہو گئی۔

سیّد علی امام۔

پٹنہ کے مشہور بیرسٹر تھے۔ ان کے دوسرے بھائی حسین امام بھی مشہور بیرسٹر تھے۔ علی امام قومی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے اور ۱۹۱۹ء میں حیدر آباد میں وزیرِ اعظم مقرر ہوئے۔ ان کا زمانہ ترقی و سکون کا زمانہ تھا۔ حکومتِ برطانیہ سے "سر" کا خطاب ملا تھا۔ وائسرائے کی کونسل کے ممبرِ قانون یعنی لاممبر بھی رہے۔ علامہ نے مثنوی 'اسرارِ خودی' ان ہی کے نام معنون کی تھی۔

صاحبزادے۔ مکتوب الیہ کے سب سے بڑے فرزند نو بہار الدین خاں تھے۔ وہ گورنمنٹ کالج کے ایم۔ اے تھے۔ جن کبوتروں کا ذکر آتا ہے وہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھے۔ رنگ کے متعلق بھی انہوں نے عرض کیا تھا۔

مکتوب ۳۳ صفحہ ۲۴

میاں عبد العزیز۔ میاں عبد العزیز بیرسٹر لاہور کے رہنے والے اور مشہور وکیل الٰہی بخش کے فرزندِ اکبر تھے۔ کچھ عرصہ ہوشیار پور میں وکالت کی، پھر لاہور آ گئے۔ دہلی دروازہ کے باہر ان کی رہائش تھی۔ مختلف اداروں میں عہدہ دار تھے۔ میونسپل کمیٹی کے صدر بھی رہے۔

شیخ عبد العزیز۔ انجمن حمایت اسلام کے سیکرٹری تھے۔

فقیر سیّد نجم الدین۔ لاہور کی مشہور فقیر فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ خاندان بازارِ حکیماں اندرونِ بھاٹی دروازہ رہائش رکھتا تھا۔ اب شہر کے باہر بھی مقیم ہے۔

مکتوب ۳۹ صفحہ ۲۸

ابنِ خلقان۔ ابنِ خلکان بھی لکھتے ہیں۔ ۶۰۸ ہجری میں موصل کے علاقہ اربلہ میں پیدا ہوئے۔ ۶۸۱ ہجری میں وفات پائی۔ مشہور عرب مصنف تھے۔ دمشق میں قاضی رہے۔ مصر میں مدرسۂ فخریہ میں بھی درس دیا۔ مشہور کتاب "وفیات الاعیان وابناء ابناء الزمان"۔

طبقاتِ ابنِ سعد۔ ابو عبداللہ محمد بن سعد البصری (۱۶۸ ہجری تا ۲۳۰ ہجری) اہم تصنیفات، الطبقات الکبیر اور

الطبقات الصغیر ہیں۔

مکتوب ۴۲ صفحہ ۳۰

نواب ابراہیم علی خاں کنج پورہ۔

شہر کرنال سے کوئی دو میل دور بڈھی جمنا کے کنارے ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ یہاں پٹھانوں کی آبادی زیادہ تھی اور مالک بھی وہی تھے۔ پانی پت کی تیسری لڑائی سے چند دن پہلے مرہٹوں نے اس قصبہ کو تاراج کیا تھا۔ تاہم پانی پت میں احمد شاہ ابدالی کی مدد کو کنج پورہ سے کافی لوگ گئے تھے۔ پرانا قلعہ بھی تھا۔ کبھی با اختیار ریاست تھی۔ پھر محض جاگیر رہ گئی۔ بڑا لڑکا ریاست کا مالک بنتا تھا۔ چھوٹوں کو گذارے ملتے تھے۔ مکتوب الیہ دو سال تک اس ریاست کے مینجر رہے۔

مکتوب ۴۳ صفحہ ۳۱

عرشی امرتسری۔ بڑے عالم فاضل بزرگ ہیں۔ ان کا ایک مجموعۂ کلام بھی شائع ہو چکا ہے۔ ایک زمانے میں اکثر ان کے مضامین اخبارات میں چھپتے رہتے تھے۔

مکتوب ۴۶ صفحہ ۳۵

علی گڑھ اور اسلامیہ کالج۔

۱۹۲۰ء میں آل انڈیا کانگرس نے مسٹر گاندھی کی سربراہی میں تحریکِ ترکِ موالات یا نان کوآپریشن موومنٹ شروع کی۔ یہ تحریک ظاہراً حکومت کے خلاف تھی۔ اس میں ایک شق یہ تھی کہ جو قومی سکول یا کالج حکومت سے مالی امداد لیتے ہیں وہ یہ امداد لینا بند کر دیں اور جو سکول یا کالج کسی یونیورسٹی سے الحاق رکھتے ہیں وہ الحاق ختم کر دیں۔ جذبات کو ہر طرح بھڑکایا گیا۔ خفیہ مقصد مسلمانوں کے سکول اور کالج تباہ کرنا تھا۔ عینی شہادت کی بنا پر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ لاہور میں سارا زور اسلامیہ کالج کو بند کرانے پر صرف ہوا۔ ہندوؤں کے مشہور سربراہ لالہ لاجپت رائے اپنے ہندو اور مسلمان ساتھیوں کو لے کر تقریباً ہر روز کالج میں آجاتے اور طلبا کو گمراہ کرتے۔ ہندوؤں کے تین کالج یعنی ڈی۔ اے۔ وی (D.A.V) کالج (موجودہ اسلامیہ کالج سول لائینز) سناتن دھرم کالج (موجودہ گورنمنٹ ایم۔ اے۔ او کالج) اور دیال سنگھ کالج کھلے تھے اور وہاں پڑھائی باقاعدہ ہوتی تھی۔ بالآخر ایک دن لالہ مذکور کو بتا دیا گیا کہ اپنے کالجوں کی بھی خبر لیں۔ اُس دن کے بعد وہ تو نہ آئے مگر مسلمانوں کا بہت بڑا گروہ کالج بند کرانے کے درپے ہوا۔ بڑی گڑبڑ ہوئی۔ فساد بھی ہوئے۔ میاں فضل حسین بیرسٹر اُن دنوں کالج کمیٹی کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے طے کیا کہ طلبا سے پوچھ لیا جائے کہ

یونیورسٹی سے الحاق رکھا جائے یا نہ۔ چنانچہ وہ کالج میں آئے اور ہر کلاس میں طلبا سے ہاں یا نہ کی پرچیاں وصول کر کے چلے۔ مولانا ظفر علی خاں بھی اس موقعہ پر آگئے تھے۔ کالج میں بڑا ہیجان برپا تھا بورڈنگ ہاؤس میں کشیدگی بھی تھی۔ میاں فضل حسین نے دوسرے دن اطلاع بھیجی کہ طلبا کی اکثریت الحاق کے حق میں ہے اس لیے یہ مسئلہ ختم سمجھا جائے۔ ساتھ ہی طلبا کو چھٹی دے دی گئی۔ بعد میں حالات ٹھیک ہوتے چلے گئے۔

اُدھر مسٹر گاندھی ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ (اب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) آگئے اور طلبا کو مشورہ دیا کہ غلام پیدا کرنے والے ادارے بند ہونے چاہئیں۔ علی برادران مسٹر گاندھی کے ساتھ تھے۔ وہاں کی انتظامیہ نے طلبا کے والدین کو لکھا کہ حالات خراب ہیں اپنے بچوں کو لے جائیں اس طرح کالج خالی ہو گیا۔ مسٹر گاندھی ہندو یونیورسٹی بنارس جانا چاہتے تھے مگر وہاں کے سربراہ پنڈت مدن موہن مالویہ نے انہیں روک دیا۔ وہ یونیورسٹی گڑبڑ سے بچی رہی۔

علی گڑھ میں ناکامی ہوئی تو اس کے مقابلہ میں جامعہ ملیہ علی گڑھ میں کھولی گئی۔ جو طالب علم لاہور میں کالج چھوڑ چکے تھے وہ جامعہ میں داخل ہوئے اور بعض مسلم یونیورسٹی میں۔ کچھ عرصہ بعد جامعہ ملیہ دہلی منتقل کر دی گئی۔

مکتوب ۴۹ صفحہ ۳۷

شیخ عبدالقادر۔ قصور کے رہنے والے تھے۔ لائل پور میں وکالت شروع کی پھر لاہور آ گئے۔ رسالہ 'مخزن' نکالتے تھے۔ "بانگِ درا" کا دیباچہ انہوں ہی نے لکھا تھا۔ 'مخزن' میں علامہ کی کئی نظمیں شائع ہوتی تھیں۔ 'سر' کا خطاب ملا ہوا تھا۔ ہائی کورٹ کے جج ہو گئے تھے لیکن پھر بھی دوسرے عہدوں پر کام کرتے رہے۔

مکتوب ۵۰ صفحہ ۳۷

فتح نامہ تیموری۔ فیروز پور شہر کے ایک پٹھان خاندان کے پاس اس کا قلمی نسخہ تھا۔ امیر تیمور کی فتحِ ہندوستان اور سلطنتِ ترکیہ پر حملہ اس کتاب کے مضامین تھے۔ کتاب فارسی میں تھی۔ مکتوب الیہ کو یہ کتاب بھیجی گئی تھی کہ اس کا ترجمہ اُردو میں کر دیں مگر بوجہ خرابیٔ صحت مکتوب الیہ ترجمہ نہ کر سکے اور کتاب واپس کر دی۔

ابنِ عرب شاہ۔

امیر تیمور کا دشمن تھا۔ اپنی کتاب میں اس نے امیر کو اس قدر برا لکھا ہے کہ پڑھ کر طبیعت گھبرا

جاتی ہے۔ تاریخ کیا ہے دشنام طرازی کا ایک شاہکار ہے۔ عراق کا رہنے والا تھا۔ اسے امیر کی فتوحات سخت ناپسند تھیں۔ امیر کو ظالم، جاہل اور سفاک لکھتا ہے۔

مکتوب ۶۳ صفحہ ۴۴

شیخ مبارک علی۔ لاہور۔ علامہ کی کتابوں کے ناشر۔

مکتوب ۶۴ صفحہ ۴۷

مضمون کا دوسرا حصہ۔ مسلم آؤٹ لُک۔

مُسلم آؤٹ لُک انگریزی اخبار لاہور سے مولوی عبدالحق صاحب نے جاری کیا تھا یہ مسلمانوں کا واحد انگریزی اخبار تھا۔ مکتوب الیہ نے Iqbal & His Time. کے عنوان سے مُسلم آؤٹ لُک میں مضمون شائع کر دیا۔ مضمون یہ تھا کہ ایک فنڈ قائم کیا جائے تاکہ علامہؒ فکرِ معاش سے بے نیاز ہو کر اپنا کام کر سکیں۔ دوسرا مضمون بھی شائع ہوا۔ اس کی زبردست تائید ہوئی مرزا جلال الدین بیرسٹر نے بھی تائید کی۔ مرزا صاحب علامہؒ کے احباب میں شمار ہوتے تھے۔ دوسرے مضمون میں ایک کمیٹی کی تشکیل کی تجویز پیش کی گئی تھی اور علامہؒ سے اجازت مانگی گئی تھی۔ علامہؒ متفق نہ ہوئے اور اقبال فنڈ قائم نہ ہو سکا۔

مکتوب ۱۷ صفحہ ۵۰

قلندر صاحب۔ شرف الدین بُو علی شاہ قلندر عراق سے پانی پت آئے تھے اور ۷۲۴ھ میں بمقام پانی پت انتقال کیا۔ یہ زمانہ تغلق خاندان کی حکومت کا تھا۔ ایک مزار پانی پت میں ہے دوسرا کرنال میں۔ پانی پت کے مزار پر مجذوب آتے جاتے رہتے ہیں کرنال کے مزار پر نہیں آتے۔ ماہِ رمضان میں عُرس ہوتا ہے اور قوالی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مکتوب ۸، صفحہ ۵۴

سائمن کمشن۔ ہندوستان کو اختیارات منتقل کرنے کے لیے برٹش گورنمنٹ نے سر جان سائیمن کی سرکردگی میں ایک کمشن یہاں بھیجا۔ اس کے سب ممبر انگریز تھے۔ اور ہندوستانی کوئی نہ تھا۔ اس پر انڈین کانگرس نے اس کا مقاطعہ کیا۔ قائدِ اعظم (ان دنوں مسٹر محمد علی جناح) بھی کانگرس کے ہم خیال تھے۔ اس مسئلہ پر کہ کمشن سے تعاون ہو یا نہ ہو، لیگ کے دو حصے ہو گئے۔ جناح لیگ اور شفیع لیگ۔ علامہؒ شفیع لیگ سے اتفاق کرتے تھے کہ مسلمانوں کو اپنے مطالبات ضرور پیش کرنے چاہئیں۔ مثلاً سندھ کی صوبہ بمبئی سے علیحدگی۔ صوبہ سرحد و بلوچستان میں اصلاحات وغیرہ۔

اقبال اکادمی